اگست 2013، قیمت 10/-

ماهنامہ
بچوں کی دنیا
دہلی
Monthly BACCHON KI DUNIYA, New Delhi

عید الفطر
یوم آزادی
جنم اشٹمی
مبارک

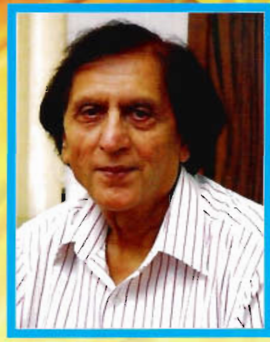

بچّوں کی دنیا

کے اجرا پر
قومی اردو کونسل کے وائس چیئر مین کے

تاثرات اور پیغام

بچوں کے ذہن سے مخاطب ہونا تو ہر گھر آنگن میں روز کا معمول ہے۔ سبھی ماں باپ اپنی لیاقت اور صلاحیت کے مطابق کچّی عمروں کی معصومیت کو اپنے تجربوں کی انگلی تھما کر زندگی کے سفر کو بامعنی بنانے کی کوشش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ مگر تحریروں کے ذریعے ان معصوم ذہنوں کو، تعمیری سمتوں کی طرف موڑنے کی کوشش کا ایک نام 'بچوں کی دنیا' ہے۔ یہ دنیا دل چسپ بھی ہے اور رنگا رنگ بھی۔ اس دنیا میں جگہ بنانے کے لیے قلم کار کو اس بے ضرر سی دنیا میں لوٹنا پڑتا ہے جسے وہ بہت پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ مگر بچوں کا ادب تخلیق کرنے والا، روح بن کر ذرے ذرے میں سما جانے کے ہنر سے آشنا ہو تبھی نئے ذہنوں کے تجسس کے ساتھ انصاف کرسکتا ہے۔

ادھر کافی عرصے سے اردو میں ادبِ اطفال پر مبنی معیاری رسالے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ اسی کے پیش نظر قومی اردو کونسل نے اردو کا ایک ایسا ماہنامہ شروع کیا ہے جو جاذب نظر بھی ہے، فکر انگیز بھی اور ذہن ساز بھی۔ پہلے ہی شمارے کو جو پذیرائی ملی وہ بہت ہمت افزا ہے۔ خوب صورت ہونے کے ساتھ خوب سیرت ہونا بچوں کی دنیا کی پہلی ترجیح ہے۔ خوب صورت بنانے کی کوشش ہم کرسکتے ہیں مگر خوب سیرت بنانے میں ان سبھی اہل قلم کا بھر پور تعاون چاہیے، جنھیں معلوم ہے کہ 'بچہ آدمی کا باپ' ہے۔ Child is father of the man۔ پیارے بچّو یہ آپ کی دنیا ہے۔ اسے بنانا سنوارنا آپ کی ذمے داری ہے۔ یہاں جو آئے گا وہ آپ کی مرضی سے، جو رہے گا وہ آپ کی خوشی سے۔ یہاں ہر تحریر کا آپ کو متوجہ کرنا اور آپ کی دل چسپی کا سبب بننا ضروری ہے تاکہ ہنستے ہنساتے آپ اردو تہذیب و ثقافت کے شاہکار اور گاتے گنگناتے نئی سوچوں کے پیرو کار روشن مستقبل کے حق دار بنیں تاکہ کونسل کی اس دیوانگی کو سرخ روئی کی سند مل سکے۔

آپ کا

وسیم بریلوی

وائس چیئر مین، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومت ہند

اس شمارے میں

ماہنامہ بچوں کی دنیا دہلی
Monthly BACCHON KI DUNIYA, New Delhi

جلد:1 شمارہ:3 اگست 2013

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	2
نظم	میں اردو ہوں	بسم اللہ عدیم	3
دنیا کے مذہب	جین دھرم	نصرت ظہیر	4
نظمیں	تھرّانے والی چڑیا	مظفر حنفی	7
قانون	پندرہ اگست کی دل چسپ باتیں	ادارہ	8
منظوم فوٹو فیچر	یوم آزادی مبارک	مقصود نشتری، ستار فیضی احد پرکاش، فراغ روہوی صبا نویدی، مجیب شہزر	10
کہانی	آزادی یا من مانی	فیروز بخت	14
نظمیں	عید کا دن	جاوید اکرم	18
	سب کے دل کو بھاتی عید	محبوب حسن ہمدم	19
رنگ برنگ	نانی کے صندوق سے	ادارہ	20
کہانی	عیدگاہ	منشی پریم چند	20
جنم اشٹمی	کیا کیا کہوں میں کرشن کنھیا...	نظیر اکبرابادی	28
نظم	بچپن کے دن	مناظر عاشق ہرگانوی	29
کہانیاں	گوریا کا انتقام	عظیم اقبال	30
	لاپرواہی	علی عباس امید	32
مضمون کہانی	انوکھے شکاری	شمس الاسلام فاروقی	33
نظمیں	پتنگ، تتلی	وکیل نجیب	37
کامکس کہانیاں	سمندر کی شہزادی	جاپانی کہانی	38
	عقل اور قسمت	آسٹریائی کہانی	40
مہینے کی باتیں	اگست کا مہینہ	ادارہ	44
نظم	ان ورٹر	محمد شکیل خاں	48
قسط وار ناول	اسّی دن کا سفر	جولز ورنے	49
آپ کے سوال	ڈاکٹر بقراط کے جواب	ادارہ	54
کھیل کھلاڑی	باکسنگ: ایک خطرناک کھیل	شبنم پروین	56
اردو ایس ایم ایس	یہ مزے مزے کی حکایتیں	ادارہ	59
دماغی ورزش	ذہنی آزمائش	ادارہ	61
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62
کارنامے	شاباش رضیہ سلطانہ!	ادارہ	64

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

اعزازی مدیر: نصرت ظہیر

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا
فیز-II، نئی دہلی-110020

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت-/10 روپے، سالانہ -/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اوراس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

صدر دفتر
فروغِ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبۂ ادارت 'بچوں کی دنیا': 49539011
خریداری کے لیے: 49539000، ایکسٹنشن: 112

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

شعبۂ فروخت
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7
آرکے پورم، نئی دہلی۔ 110066
فون: 26109746
شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد- 500002
فون: 040 - 24415194

آپس کی باتیں!

اگست کا مہینہ ہم سب کے لیے ڈھیروں خوشیاں لے کر آیا ہے۔

سب سے پہلے عید آ رہی ہے جو رمضان کے روزوں اور عبادت کے صلے میں اللہ میاں کا بخشا ہوا بہت ہی پیارا اور سب کو خوشی دینے والا تحفہ ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ ہم سبھی ہندوستانیوں کا وہ تہوار ہے جو سب کو میل ملاپ کی دعوت دیتا ہے، سب کے دلوں کو قریب لاتا ہے اور فطرہ و زکات کی بدولت لاکھوں ضرورت مند انسانوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ رمضان المبارک کے روزوں اور عبادت سے دلوں کی جو روحانی صفائی ہوتی ہے وہ عید کے دن پوری طرح چمک کر سامنے آتی ہے، اور امیر و غریب، بڑے اور چھوٹے کا فرق مٹا کر سب کو مسرت اور شادمانی کے رشتوں سے جوڑ دیتی ہے۔

اس کے بعد پندرہ اگست کو ہمارا 67واں یوم آزادی ہے۔ وہ دن جو 66 برس پہلے تقریباً ایک سو سال کی لمبی لڑائی اور لاکھوں انسانی جانوں کی قربانی کے بعد دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ جس نے ہمیں اپنے ڈھنگ سے اپنی مرضی سے اور اپنی ضرورتوں کے حساب سے جینے کا موقع دیا اور ہمارے کندھوں سے انگریزوں کی غلامی کے بوجھ کو ہمیشہ کے لیے اتار ڈالا۔ اس روز ہمارے وزیر اعظم لال قلعے کی فصیل پر چڑھ کر ہمارا پیارا قومی ترنگا پرچم لہراتے ہیں اور پوری قوم کو بتاتے ہیں کہ ہمارا ملک ترقی کے راستے پر کتنا آگے بڑھا ہے، ہمیں کن کن مشکلات کا سامنا ہے اور ان مشکلوں کے حل کے لیے حکومت نے کیا کیا منصوبے بنائے ہیں۔ پندرہ اگست ہمارا قومی تہوار ہے جسے پورے ملک کے کروڑوں عوام پورے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔

مہینے کے آخری ہفتے میں شری کرشن جنم اشٹمی کا تہوار آئے گا جو سبھی ہندو بھائی بہنوں کے مذہبی عقیدوں سے جڑی ہوئی اس عظیم ہستی کی پیدائش کا دن ہے جس نے انسانوں کو اپنا فرض پہچاننے کا سبق دیا اور ظلم کے آگے کبھی سر نہ جھکانے کی تعلیم دی۔ ہندوؤں کی مقدس ترین کتاب 'بھگوت گیتا' کرشن جی کے ارشادات کا ہی مجموعہ ہے۔ ان کی دل نواز شخصیت نے مسلمانوں کو بھی بے حد متاثر کیا ہے چنانچہ مسلم صوفیائے کرام، فلسفی اور شاعران کا بڑا احترام کرتے ہیں۔

ان مبارک تہواروں کی مناسبت سے 'بچوں کی دنیا' کے اس شمارے میں کئی کہانیاں، نظمیں، مضمون اور تصویریں شامل ہیں، جو امید ہے آپ کو پسند آئیں گی۔

آپ کو ان تمام تہواروں کی خوشیاں مبارک ہوں! خود بھی خوش رہیے، دوسروں کو بھی خوش رکھیے!

(ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین)

نظم

بسم اللہ عدیم

میں اردو ہوں

میں اردو ہوں وطن ہے دوستو! ہندوستاں میرا
یہیں سے پھیلا ہے سارے جہاں میں کارواں میرا

سبھی کو مشترک تہذیب کے آداب سکھلائے
پڑھو مجھ کو بڑھو آگے چڑھو خوشیوں کے زینے پر
مرے پیغام کو ہرگز نہ کوئی بھولنے پائے
میں اردو ہوں وطن ہے دوستو! ہندوستاں میرا

کٹھن راہوں میں ہر پہلو سے میں نے پاسبانی کی
اجالے میں نے بانٹے ہیں اندھیرے کے ٹھکانوں پر
زمانے میں وقار زندگی کی ترجمانی کی
میں اردو ہوں وطن ہے دوستو! ہندوستاں میرا

اماں پائی ہے سب نے آج تک میرے گھرانے سے
قدم دھرتی پہ رکھتی ہوں نظر ہے آسمانوں پر
مرے عاشق نہیں ڈرتے کبھی ظالم زمانے سے
میں اردو ہوں وطن ہے دوستو! ہندوستاں میرا

سبھی درویش کہتے ہیں یہ اپنی خانقاہوں میں
مری آغوش نے دی ہے تمھیں آزادی کی نعمت
سبق اب میرے دوہرانے ہیں تم کو درس گاہوں میں
میں اردو ہوں وطن ہے دوستو! ہندوستاں میرا

قسم ایثار والفت کی اٹھاؤ آج یہ بیڑا
نہ آئے حرف مجھ پر تم رکھو دامن مرا اجلا
میں اردو ہوں وطن ہے دوستو! ہندوستاں میرا

♦ بسم اللہ عدیم بستت کبیر مارگ جوہری واڑہ برہان پور ایم پی۔450331

میر تقی میر

حضرت امیر خسرو

نواب مرزا داغ دہلوی

ڈاکٹر سر محمد اقبال

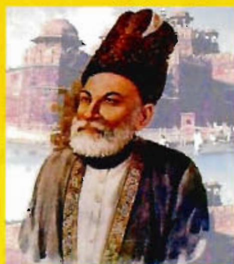
مرزا اسد اللہ خاں غالب

فیض احمد فیض

فراق گورکھپوری

منشی پریم چند

قرۃ العین حیدر

راجندر سنگھ بیدی

نصرت ظہیر

دنیا کے سب سے پرانے مذہبوں میں شمار ہونے والا

جین دھرم

مہاویر جی کی مورتی

ہماری دنیا میں بہت سے مذہب ہیں جنھوں نے کئی طرح سے دنیا پراور اس میں رہنے والوں پر اپنا اثر ڈالا ہے۔اس دنیا کواچھی طرح جاننے اور اس کے الگ الگ علاقوں کی تاریخ اور تہذیب کوسمجھنے کے لیے مذہبوں کو جاننا بہت ضروری ہے۔ بڑے ہو کر آپ کو کالج اور یونی ورسٹیوں میں مذہبوں کے بارے میں زیادہ جاننے کا موقع ملے گا۔لیکن اگر آپ چھوٹی عمر میں ہی دنیا کے بڑے مذہبوں کے بارے میں اہم باتیں جان جائیں تو یہ معلومات آگے چل کر آپ کے کام آئے گا اور بہت سی الجھی ہوئی باتوں کو سمجھنے میں بھی آسانی ہو گی۔ اس کے علاوہ آپ کے ساتھی بھی آپ کے علم سے حیران رہ جائیں گے۔یاد رکھئے ، علم ہمیشہ کام آتا ہے ، اور آپ کا علم بڑھانے کے لیے ہی ہم یہ سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ اسے پڑھکر ہمیں اپنی رائے ضرور لکھیے۔ مدیر

پیارے بچّو ، آج ہم آپ کوایک اور بہت پرانے مذہب ، جین دھرم کے بارے میں کچھ بتائیں گے۔اس سے پہلے آپ بودھ مت یا بدھ دھرم کے بارے میں پڑھ چکے ہیں جو ہندوستان میں ڈھائی ہزار سال سے بھی پہلے آیا تھااور جس کے بانی گوتم بدھ تھے۔

لیکن جین دھرم کتنا پرانا ہے یہ کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا۔تاریخ داں یعنی تاریخ لکھنے والے اسے دنیا کے سب سے پرانے مذہبوں میں ایک مانتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ آدی ناتھ اس دھرم کے پہلے مبلغ تھے جنھیں تیرتھانکر یا تیرتھنکر کہتے ہیں۔کل ملا کر اس مذہب کے چوبیس تیرتھنکر مانے جاتے ہیں۔آدی ناتھ ان میں پہلے تھے اور بھگوان مہاویر آخری تیرتھنکر، جن کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے تقریباً چھ سو سال پہلے کا مانا جاتا ہے۔

آدی ناتھ جن کا نام رشبھ بھی ہے جین دھرم کے بانی تھے یا نہیں اس پر جین دھرم کے عالموں میں پورا اتفاق ہے مگر مورخوں میں نہیں۔ آج کے کچھ تاریخ داں ان کا رشتہ وادیٔ سندھ کی تہذیب سے جوڑتے ہیں جو پراسرار انداز میں ختم ہوگئی تھی اور جس کے اب صرف نشانات باقی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ زمین کھودنے پر سندھ کی تہذیب کے علاقوں میں کچھ ایسے سکّے پائے جاتے ہیں جن میں آدی ناتھ جی عرف رشبھ کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ جین دھرم وادیٔ سندھ کی تہذیب کے زمانے میں بھی رہا ہو یا اس کی تبلیغ ہوتی ہو۔ وہ 599 ق م میں، ایودھیا میں پیدا ہوئے تھے۔ نابھی راجہ ان کے والد تھے اور مرو دیوی ان کی والدہ۔ قدیم ویدوں خاص طور سے رگ وید میں بھی ان کا ذکر ہے۔ جس زمانے میں وہ پیدا ہوئے ان دنوں عام لوگ پوری طرح ان پڑھ تھے اور قبائلی طرز کی زندگی گزارتے تھے۔ آدی ناتھ جی نے انھیں کھیتی باڑی سکھائی۔ مویشی پالنا اور برتن بنانا سکھایا اور شاعری، مصوری اور بت تراشی جیسے فنون کی تربیت دی۔ یہاں تک کہ شادی بیاہ کا رواج بھی ڈالا اور مرے ہوؤں کی آخری رسمیں ادا کرنے کے طور طریقے بھی بتائے۔ رشبھ (آدی ناتھ) کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام سنندا تھا اور دوسری کے کئی نام بتائے جاتے ہیں جن میں ایک سمنگلا ہے۔ رشبھ کے ایک سو بیٹے تھے اور صرف دو بیٹیاں تھیں۔ سنندا، جو باہو بلی اور سندری کی ماں تھیں۔ سنندا نے بھرت اور برہمی کو جنم دیا۔ بھرت، رشبھ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ بعد میں وہ ایک چکروتی راجہ ہوا جس نے موکش (نجات) پانے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ جین ایک سدّھ کے طور پر اُن کی پوجا کرتے ہیں۔ ان ہی کے نام پر ہمارے ملک کا نام بھارت ورش اور ان کا عہد ختم ہونے کے بعد بھارت پڑا۔ آدی ناتھ نے اپنا راج دو حصوں میں بانٹ کر دونوں بیٹوں بھرت اور باہو بلی کو سونپ دیا۔ شمالی ہندوستان بھرت کے حصے میں آیا جس کی راجدھانی ایودھیا تھی۔ جنوبی حصہ باہو بلی کو ملا جس کی راجدھانی 'پودن پور' شہر تھا۔ یہ شہر موجودہ ممبئی کے علاقہ بوری بلی یا بوری ولی میں ہے۔ اس کے بعد آدی ناتھ نے سب کچھ تیاگ دینے اور ہر خواہش کو ترک کرنے کی راہ اپنائی، جین

کھجوراھو میں آدی ناتھ جی کی مورتی

دھرم کی تبلیغ کے لیے نکل گئے اور جین دھرم کے پہلے تیرتھنکر مانے گئے۔

چوبیسویں تیرتھنکر مہاویر جی کا زمانہ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں سن 599 قبل مسیح سے لے کر سن 527 قبل مسیح کے دوران کا مانا جاتا ہے۔ وہ بہار کے ایک شاہی گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن ان کے جنم کا استھان معلوم نہیں ہے۔ بعض تاریخ لکھنے والے تین مقامات کا ذکر کرتے ہیں جو ان کا جنم استھان ہو سکتے ہیں۔ یہ تینوں ہی بہار میں ہیں۔ ویشالی کا

بسوکنڈ، جموئی کا لچھوار اور نالندہ کا کنڈل پور۔ کچھ تاریخ داں انھیں گوتم بدھ کا ہم عصر بھی مانتے ہیں۔ یعنی ان کا اور بدھ کا زمانہ ایک تھا۔ سنسکرت میں مہاویر، انتہائی بہادر شخص کو کہتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ کم عمری میں انھوں نے ایک خطرناک سانپ کو بس میں کر لیا تھا اور تبھی سے مہاویر کہلانے لگے۔ انھیں زندگی کا ہر عیش و آرام حاصل تھا لیکن 30 سال کی عمر میں تمام عیش و آرام اور اپنا گھر چھوڑ کر انھوں نے سادہ زندگی اپنا لی اور روحانی بیداری کی تلاش میں نکل گئے۔ مکمل سادگی کے لیے انھوں نے لباس پہننا بھی چھوڑ دیا اور تمام خواہشیں ترک کردیں۔ روحانیت کے اس سفر میں انھیں بنگال کے مشرقی علاقے میں بے حد تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بچے انھیں پتھر مارتے، بڑے ان کا مذاق اڑاتے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے۔ اگلے تیس برس تک وہ ہندوستان بھر میں گھوم کر جین دھرم کے پانچ اصولوں خاص طور سے عدم تشدد یا اہنسا کی تبلیغ کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ انسان کو خواہشوں سے اوپر اٹھ کر اندر سے مضبوط بننا چاہیے۔

جین راہب جو اپنا منہ اس لیے ڈھکے رہتے ہیں کہ اڑتا ہوا کوئی کیڑا پتنگا اس میں نہ داخل ہوجائے اور وہ کسی جاندار کی موت کا سبب نہ بن جائیں

انھوں نے جین دھرم کے پانچ اصول بتائے۔ پہلا، اہنسا، یعنی کسی بھی جاندار کو تکلیف نہ پہنچانا اور اس کی جان نہ لینا۔ دوسرا، ستیہ، یا سچ۔ آدمی زندگی کے ہر معاملے میں سچا رہے۔ تیسرا، استے یا۔ یعنی چوری نہ کرنا۔ کوئی ایسی چیز قبول نہ کرنا جو جائز طریقے سے حاصل نہ کی گئی ہو۔ چوتھا، برہم چریہ یا پاکیزگی۔ یعنی آدمی جنسی ہوس سے دور رہے۔ پانچواں اور آخری اصول ہے، اپری گرہ، یا بے تعلقی۔ آدمی کسی شے کو اپنے قبضے میں نہ رکھے، اس سے جڑے نہیں، اور عوام، مقامات اور فنا ہوجانے والی چیزوں سے لاتعلق رہے۔

جین لفظ، سنسکرت کے لفظ جے سے بنا ہے جس کا مطلب ہے، جیت لینا۔ جین دھرم کے دو فرقے ہیں، دگمبر اور شویتامبر۔ دگمبر وہ جو سب کچھ تیاگ کر مہاویر جی کی طرح جینے میں یقین رکھتے ہیں۔ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ 2006 میں اس فرقے کے سادھو یا عالم صرف 548 تھے۔ شویتامبر کا مطلب ہے سفید لباس۔ اس فرقے کے سادھوؤں کی تعدا 2006 میں 2510 تھی۔ پھر جیسا کہ باقی اور مذہبوں میں ہوتا آیا ہے اس فرقے کے بھی کئی فرقے ہوگئے۔

سب سے پرانے مذہبوں میں شمار ہونے کے باوجود جین دھرم کو ماننے والوں کی تعداد دنیا بھر میں صرف 50 لاکھ کے قریب ہے۔ ہندوستان میں انھیں مذہبی اقلیت کا درجہ حاصل ہے اور ان کی تعداد تقریباً 42 لاکھ ہے۔ ہندوستان کے علاوہ یہ لوگ بلجیم، کناڈا، ہانگ کانگ، جاپان، سنگاپور اور امریکہ میں بھی آباد ہیں۔ پراکرت، سنسکرت، کنڑ، تمل، گجراتی اور ہندی/اردو جینیوں کی خاص زبانیں ہیں۔ مہاویر جی کی تعلیمات پر مشتمل کتاب 'آگم' جینیوں کا دھرم گرنتھ ہے۔

دراصل بچو، ہندوستان قدیم زمانے سے مختلف مذہبوں، وچاروں، نظریوں اور فلسفوں کی ایک طرح کی لیباریٹری بن کر رہا ہے۔ یہاں دنیا کے تقریباً سبھی بڑے مذہبوں کے پیروکار کم یا زیادہ تعداد میں عرصے سے رہ رہے ہیں اور یہی اس ملک کی سب سے بڑی خوب صورتی ہے۔ دوسرے مذہبوں کی طرح جین دھرم بھی اس کے حسن اور نیرنگی کو بڑھاتا ہے۔ □

◆ نصرت ظہیر، فروغ اردو بھون، جسولا انسٹی ٹیوشنل ایریا، نئی دہلی۔110025

مظفر حنفی

چڑیا تھرّانے والی

آئی چڑیا ایک نرالی
آگے پیچھے اڑنے والی
اس کے استقبال کی خاطر
شاخ بیل کی مڑ جاتی ہے
گہری پھول کٹوری میں یہ
لمبی چونچ سے جُڑ جاتی ہے
تھرّا تھرّا کر یہ چنچل
رس پیتی ہے، اڑ جاتی ہے

بجلی جیسے تیز پروں سے
دُم کی جانب اڑنے والی
رنگیں خوشبو دار رسیلے
گہرے پھول سے جُڑنے والی

ننھی منی گُل گُچھے سی
جھٹکا دے کر مڑنے والی
ہیلی کاپٹر جیسی چڑیا
آگے پیچھے اڑنے والی
آئی چڑیا ایک نرالی

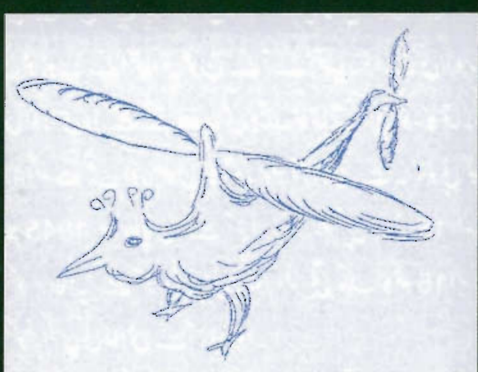

◆ پروفیسر مظفر حنفی، ڈی-40بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

ادارہ

پندرہ اگست 1947 کی دل چسپ باتیں!

انگریز حکومت کی غلامی سے ہندوستان کی آزادی کے لیے 15 اگست کی تاریخ ملک میں انگریزوں کے آخری وائسرائے اور ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے طے کی تھی۔ یہ دن انھوں نے اس لیے چنا کہ اس روز دوسری عالمی جنگ کے دوران جاپان کی فوجوں کے اتحادی فوج کے آگے ہتھیار ڈالنے کی دوسری سالگرہ تھی اور اسی واقعے کے بعد عالمی جنگ کا خاتمہ ممکن ہو سکا تھا۔

- 15 اگست تین اور ملکوں کا بھی یوم آزادی ہے۔ جنوبی کوریا 15 اگست 1945 کو جاپان سے آزاد ہوا۔ بحرین نے 15 اگست 1971 کو برطانیہ سے آزادی پائی۔ اور افریقی ملک کانگو 15 اگست 1960 کو فرانس کی غلامی سے آزاد ہوا۔

- جدوجہد آزادی کے سب سے قدآور رہنما مہاتما گاندھی، جن کی سوجھ بوجھ سے ہم نے آزادی پائی 15 اگست 1947 کو جشنِ آزادی میں شریک ہونے کی بجائے بنگال میں فرقہ وارانہ دنگوں کی آگ کو بجھانے کے لیے مرن برت پر تھے اور وہاں ہندو مسلم فرقہ پرست لیڈروں سے بات چیت کر کے معاملہ سلجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

- پنڈت جواہر لال نہرو نے جب قومی اسمبلی میں Tryst With Destiny والی مشہور تقریر کی تھی اور کہا تھا کہ اس وقت جب دنیا سوئی ہوئی ہے ہندوستان جاگ رہا ہے، تب وہ تکنیکی طور پر وزیر اعظم نہیں تھے۔ وزیر اعظم کا حلف انھیں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے دلایا جو آخری وائسرائے تھے اور چیف جسٹس آف انڈیا جسٹس کانیا نے جنھیں ملک کے پہلے گورنر جنرل کا حلف دلایا تھا۔ اس کے بعد لارڈ نے اپنی کابینہ کے وزیروں کو حلف دلایا جن میں اول وزیر یا وزیر اعظم تھے جواہر لال نہرو۔ حلف برداری کی اس تقریب میں بابو جگ جیون رام شریک نہیں ہو سکے کیونکہ ایک ہوائی حادثے میں زخمی ہونے کی وجہ سے ان کا علاج چل رہا تھا۔

پنڈت نہرو نے 16 اگست کو لال قلعہ پر ترنگا لہرایا

- عام خیال یہ ہے کہ آزادی کے دن پنڈت جواہر لال نہرو نے سب سے پہلے قومی پرچم لہرایا تھا۔ لیکن سرکاری ریکارڈ بتاتا ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے انگریز راج کے پرچم یونین جیک کو اتروانے کے بعد گورنمنٹ ہاؤس پر ترنگا لہرایا اور سب سے پہلے سلامی دی۔ جھنڈے کو 31 توپوں کی سلامی بھی دی گئی۔ پنڈت نہرو، ڈاکٹر راجندر پرساد، مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے قومی رہنما اس تقریب میں موجود تھے۔
- پنڈت جواہر لال نہرو نے لال قلعہ پر پہلی بار قومی پرچم پندرہ اگست کو نہیں بلکہ 16 اگست 1947 کو لہرایا۔ یہ ایک بڑی ہی جذباتی تقریب تھی اور پورا دہلی شہر اس تاریخی موقع کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے پریڈ گراؤنڈ پر اُمڈ پڑا تھا۔ قومی پرچم لہرائے جانے کے کچھ ہی دیر بعد بارش ہونے لگی اور تھوڑی دیر کی بارش کے بعد آسمان پر قوس قزح نظر آنے لگی۔ اس کے تین نمایاں رنگ قومی پرچم سے ملتے جلتے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے قومی پرچم کی ایک پوری پٹی آسمان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرا دی گئی ہے۔ لوگ یہ قدرتی کرشمہ دیکھ کر خوشی سے چیخ اٹھے اور بارش اور قوس قزح کو ملک وقوم کے لیے ایک نیک شگون مانا گیا۔ □

یوم آزادی پر دھلی کی جامع مسجد کے آس پاس کا منظر

مقصود نشتری

ستار فیضی

یوم آزادی مبارک

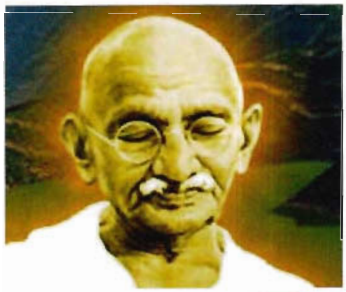

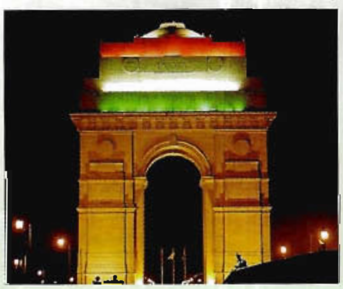

پندرہ اگست

ہر شے پہ ہے نکھار، یہ پندرہ اگست ہے
گلشن ہے پُر بہار، یہ پندرہ اگست ہے
جس دن فرنگیوں نے کی تسلیم اپنی ہار
اس دن کی یادگار یہ پندرہ اگست ہے
آزاد، گاندھی اور جواہر سے رہنما!!
کرتے تھے اس سے پیار یہ پندرہ اگست ہے
یہ عہد کررہے ہیں کہ ہندوستان کا!!
ہوگا نہ کم وقار یہ پندرہ اگست ہے
ہم مادرِ وطن کی حفاظت کے واسطے!
ہوجائیں گے نثار یہ پندرہ اگست ہے
ہم اہل ہند اس سے ہیں مسرور اس لئے
دن ہے یہ باوقار یہ پندرہ اگست ہے
مقصود میں بھی نغمہ سراہوں جو بزم میں
مجھ کو ہے اس سے پیار یہ پندرہ اگست ہے

مقصود نشتری 16 دولت گنج
اسٹریٹ نمبر 1 اندور۔452007

ترنگا ہمارا

وطن کی نشانی ترنگا ہمارا
ہمارا ترنگا ترنگا نرالا
وطن کی محبت کو گرمانے والا
ترقی کی جانب ہے اکسانے والا
اشوکا کا چکر ترقی کا پیکر
سکوں کی علامت اجالوں کا رہبر
کہ لہرارہا ہے یہ پرچم ہمارا
ہمیشہ سروں پر رہے اس کا سایہ
ترانہ وطن کا زباں پر رہے گا
وطن کی بھی خدمت میں آگے بڑھے گا
میں اس خاکِ مادر کی عزت کروں گا
سپاہی بنوں گا حفاظت کروں گا
میں نیکی کے رستے پہ ہر دم چلوں گا
غریبوں کا ہم درد ساتھی رہوں گا
اسی سرزمیں پر جئیں گے مریں گے
وطن کے لئے ہم بھی فیضی لڑیں گے

ستار فیضی زیڈ پی ہائی اسکول (اردو)
راجم پیٹ، کڈپا ڈسٹرکٹ۔516115

دیش ہمارا

ہندو مسلم سکھ عیسائی
سب ہی اس کے ہیں شیدائی
ذات پات کا بھید نہیں ہے
کوئی یہاں پر قید نہیں ہے
گیت پیار کے سب گاتے ہیں
مست پون میں لہراتے ہیں
ننھے منے شیر سے بچے
موتی جیسے جھل مل سچے
دیش کی رونق دیش کی آشا
دیش ہو اونچا یہ ابھیلا شا
کام کریں گے نام کریں گے
سچائی کو عام کریں گے
ننھے منے دیپ جلیں گے
ہر اندھیارا دور کریں گے

□

♦ احد پرکاش ایم آئی جی 304 پشچم اپارٹمنٹ
نزد بھارت ٹاکیز بھوپال۔462001

ایک رہیں ہم

ہندو، مسلم ، سکھ، عیسائی
سب ہیں اک دوجے کے بھائی
کہیں رہیں، پر ایک رہیں ہم
خوب پڑھیں اور نیک بنیں ہم
الگ الگ ہے سب کی بھاشا
ایک مگر ہے اپنی آشا
گلشن سا ہو وطن ہمارا
ہرا بھرا ہو چمن ہمارا
کوئی انوکھا کام کریں ہم
دنیا بھر میں نام کریں ہم
دشمن گھر گھر آگ لگائے
اس سے پہلے ہمیں مٹائے
پہن کے اپنے دیش کی وردی
جڑ سے مٹادیں دہشت گردی
بات فراغ انکل کی مانو
اپنی طاقت کو پہچانو

□

♦ فراغ روہوی
67، مولانا شوکت علی اسٹریٹ، کلکتہ

صبا نویدی

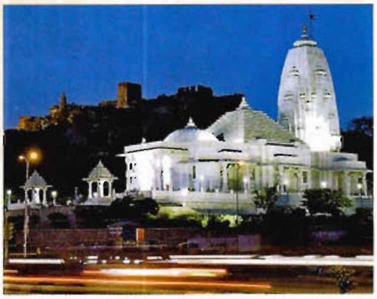

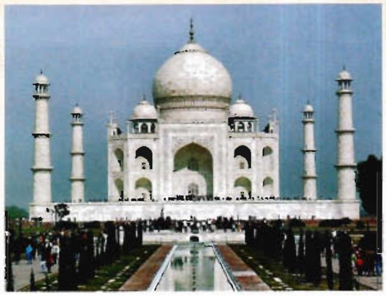

ہندوستان ہمارا

ہندوستاں ہمارا

اس کا ہر ایک ذرہ جلوؤں کا آئینہ ہے
ہنستے، مہکتے، دلکش رنگوں کا آئینہ ہے
ان مٹ ہے شان اپنی ان مٹ نشاں ہمارا

باہوں میں اس کی سجدے کہسار کر رہے ہیں
سائے میں اس کے لاکھوں ارماں سنور رہے ہیں
اس کی مہک سے روشن ہے آسماں ہمارا

یہ کھیت لہلہاتے، سرسبز باغ اس کے
منظر حسیں دکھاتے روشن چراغ اس کے
روشن رکھا ہے سب نے نام ونشاں ہمارا

سرشار اس کی شامیں مسرور اس کے دن ہیں
مفلس ہو یا تونگر سب لوگ مطمئن ہیں
جنت نشاں ہے گویا ہندوستاں ہمارا

باہوں میں اس کی شملہ کشمیر کے نظارے
اجمیر کے اجالے گنگ وجمن کے دھارے
اس کی ہر ایک شے میں خوں ہے رواں ہمارا

مسجد بھی اس کی روشن مندر بھی اس کے روشن
آکاش کر رہا ہے جھک جھک کے اس کا درشن
ہے خالقِ دو عالم خود مہرباں ہمارا

اس کی وفا کے آگے دشمن بھی جھک گیا ہے
اس سے نظر ملا کے طوفاں بھی رک گیا ہے
کیا خاک مٹ سکے گا یہ آشیاں ہمارا

اقبال میر غالب ٹیگور اور گرو جی [1]
ہیں آبرووطن کی بے شک صبا نویدی
ہر حوصلہ ہے ان کے دم سے جواں ہمارا
ہندوستاں ہمارا

□

[1] گرونانک جی

شعری مجموعے سے

◆ علیم صبا نویدی 266، ٹرپلیکین، ہائی روڈ،
رائس منڈی اسٹریٹ، چنئی۔ 600 005

مجیب شہزر

جھنڈا اونچا رہے ہمارا

پیارا پیارا دیش ہمارا
سب سے نیارا دیش ہمارا
جگ میں ایسا کہیں نہیں ہے
جیسا اپنا دیش حسیں ہے
اس کے موسم بھی البیلے
دیوتا اس کے آنگن کھیلے
گرمی اس کی راج کماری
سردی بھی سب کی ہے دلاری
ہے برسات بھی اس کی سہانی
پھول کھلائے اس کا پانی
دیش مرا غالب کی غزل ہے
اس کی ہر مسکان کنول ہے

تاج محل اس کا جھومر ہے
جنت اس کی سری نگر ہے
پنجاب اور بنگال ہے اس میں
شملہ نینی تال ہے اس میں
دلی اس میں ممبئی ا س میں
کلکتہ اورچینئی اس میں
حسیں ہیں منظر اس کے اندر
کہیں ہیں دریا کہیں سمندر
امر قطب مینار کی عظمت
قلعے اس کی شان وشوکت
دیش ہمارا سب سے پیارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

ڈاکٹر مجیب شہزر 9/159، ٹن ٹن پاڑا،
کینکر اسٹریٹ، علی گڑھ، اترپردیش

کہانی

فیروز بخت احمد

آزادی یا من مانی

شاہد اور ساجدہ بھائی بہن تھے اور دونوں پڑھتے تھے۔ شاہد آٹھویں جماعت میں اور ساجدہ ساتویں میں۔ دونوں عام بچوں کی طرح خوب چلبلے تھے اور کبھی کبھی شرارتیں بھی کیا کرتے تھے۔ ان کے والدین خالد اور سلیمہ دونوں ٹیچر تھے اور ان کا گھر نینی تال میں تھا۔

شاہد اور ساجدہ کا مکان خوب بڑا تھا۔ دونوں پڑھائی میں اچھے تھے اور کھیل کود میں بھی دھیان رکھتے تھے۔ گھر پر ان کے کھیلنے کے لیے ہر طرح کے کھلونے اور دماغی کھیل بھی تھے۔ یوں تو وہ گھر میں خوب کھیلتے تھے مگر امی ان کو ڈانٹتی رہتی تھیں۔ اس سے دونوں بہن بھائی بہت پریشان رہتے تھے۔ ان پر طرح طرح کی بندشیں تھیں۔ روزانہ اسکول سے آکر گھر پر بھی اسکول کا کام نپٹانا پڑتا تھا۔ کئی مرتبہ اسکول کا کام اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ تمام وقت ان کا ہوم ورک کرنے میں ہی ختم ہو جاتا تھا اور کھیلنے کے لیے تھوڑا سا وقت بھی نہیں بچ پاتا تھا۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی پابندیاں تھیں۔ مثال کے طور پر اگر وہ رات کو تھوڑا زیادہ جاگ کر کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو انہیں سختی کے ساتھ منع کر دیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ان سے یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اگلے روز کے لیے وہ اپنے کپڑے اور بستے بھی تیار کر کے رکھیں۔

ادھر 15 اگست کی تاریخ بھی سر پر تھی۔ 15 اگست کو دونوں بچے آزادی کا دن مانتے تھے۔ انہیں اس بات کا بھی پتہ تھا کہ 15 اگست کو ہندوستان کے وزیر اعظم لال قلعے پر جا کر جھنڈا لہراتے ہیں اور پھر ان کی لمبی چوڑی تقریر ہوتی ہے۔ ساجدہ کی کتاب اردو کی کتاب میں 15 اگست پر ایک بہت ہی دلچسپ مضمون بھی تھا۔

بھائی بہن دونوں پوری آزادی چاہتے تھے

یہی نہیں 15 اگست کو صبح سے ہی گھروں کے اندر سے اور باہر سے بھی آزادی کے گیت اور شادیانے گونجتے تھے

۔دونوں بچوں کو نہ صرف آزادی کے گیت بے انتہا پسند تھے بلکہ وہ ان گیتوں کو خود بھی گانا پسند کرتے تھے ۔جب آزادی کے گیت ان کے کانوں میں پڑتے تو ایک عجیب سی کیفیت دونوں بہن بھائیوں کے ذہن میں گھر کر جاتی ۔ دونوں آزادی کی اہمیت کو سمجھتے تھے اور مانتے تھے کہ آزادی جیسی نادر شے اور کوئی نہیں۔

ایک دن ساجدہ نے شاہد سے کہا،'' بھائی جان ، جب پورا ہندوستان 15 اگست کو آزادی کے دن کی طرح مناتا ہے تو ہم اسے اپنی آزادی کے طور پر کیوں نہیں منا سکتے ؟''

''ارے واہ!تم نے تو بڑی پتے کی بات کہہ دی۔ سارا ملک اس دن آزادی کی خوشی مناتا ہے اور ہم ہیں کہ اس دن بھی پابندیوں سے بندھے رہتے ہیں۔ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ۔ یہ کرو ، وہ نہ کرو۔'' شاہد بولا۔

''یہی تو!سب ہمارے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔کیا ہم لوگ ایسا نہیں کر سکتے کہ اس دن پوری طرح سے آزاد ہو کر وہ سب کریں جو ہمارا دل چاہتا ہے۔کم سے کم ایک دن تو ہم پوری طرح اپنی مرضی سے گزار سکیں؟'' ساجدہ نے کہا۔

''بالکل صحیح سوچا تم نے ، بلکہ میں تو کہوں گا کہ کیا ہی اچھا ہو جو ہمارے سارے دن 15 اگست کی طرح گزرا کریں۔''

تبھی امی کی آواز آئی ، ''شاہد... ساجدہ کہاں ہو تم؟ جلدی آکر دونوں اپنا ہوم ورک پورا کرو۔ میرے اندر دم نہیں کہ تمھیں بار بار آواز دیتی رہوں۔پچھلی مرتبہ پر پی ٹی اے میٹنگ میں ٹیچر نے شکایت کی تھی کہ تم دونوں ٹھیک ٹھیک کام نہیں کر رہے ہو۔'' امی کی آواز سنتے ہی دونوں نے بے چارگی سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا، جیسے آفت ہی آگئی ہو۔دونوں کا اس وقت کھیلنے کا موڈ تھا لیکن امی جان کے آگے کس کی چلتی۔وہ اپنے پڑھائی والے کمرے میں واپس آگئے حالانکہ دونوں کام کر رہے تھے مگر ان کا دل کہیں اور تھا۔

کام ختم ہوتے ہی دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور جس وقت امی باورچی خانہ میں کھانے کی تیاری کر رہی تھی تو دونوں کی ایک ہی سوچ تھی۔بس اب بہت ہو چکا! اگلے ہی دن 15 اگست تھی۔ شاہد اور ساجدہ نے فیصلہ کیا کہ وہ اس روز کسی بھی حالت میں امی یا کسی دوسرے گھر والے کی بات نہیں سنیں گے۔دونوں نے فیصلہ کیا کہ 15 اگست صرف ان کا اپنا اور اپنی مکمل آزادی کا دن ہوگا اور اس دن وہ ہر کام اپنی مرضی سے کریں گے۔

خدا خدا کر کے رات بیتی، 15 اگست آئی اور صبح سویرے سے ہی گھروں کی چھتوں پر آزادی کے گانے گونجنے لگے۔'یہ دیش ہے ویر جوانوں کا، البیلوں کا مستانوں کا...'' مرے دیش کی دھرتی سونا اُگلے ، اُگلے ہیرے موتی...'' اپنی آزادی کو ہم ہرگز مٹا سکتے نہیں!' دونوں نے دیکھا، آسمان رنگ برنگی پتنگوں سے بھرتا جارہا ہے۔ فیصلہ کیا گیا کہ

امی کی سلائی مشین نے ساجدہ کو زخمی کر دیا

دونوں مارکیٹ سے پتنگیں، مانجھا اور ڈور لے کر آئیں گے۔ مگر مسئلہ پیسوں کا تھا۔ شاہد کو پتہ تھا کہ امی روپے کہاں رکھتی ہیں۔ چھٹی ہونے کی وجہ سے امی اٹھی نہیں تھیں۔ شاہد چپ چاپ ان کی الماری کے پاس گیا اور بڑی مہارت کے ساتھ پرس میں سے اس نے 100 کے دو نوٹ نکال لیے۔ بہت ہی صفائی کے ساتھ پرس کو بند کیا اور الماری بند کر کے باہر چلا آیا۔

اس کامیابی کا پیغام شاہد نے سب سے پہلے ساجدہ کو ہی دیا۔ ساجدہ بھی پھولے نہ سما پائی کی کس صفائی سے اس کے بھائی نے اتنا بڑا کام انجام دیا۔ دونوں بھاگتے ہوئے مارکیٹ گئے جہاں سویرے 5 بجے سے ہی پتنگوں اور ڈور کی دکانیں سج چکی تھیں۔ ایک دکان سے انھوں نے کچھ پتنگیں ڈور اور مانجھا خریدا اور واپس گھر چلے گئے۔ چونکہ اس وقت صبح کے 6 بجے تھے اور ابو بھی سو رہے تھے تو دونوں مکان کی چھت پر پہنچ گئے تھے۔

پتنگ کے کنّے باندھ کر شاہد نے جو ٹھمکے دیے تو اس سے پتنگ اڑی ہی نہیں۔ بات دراصل یہ تھی کہ نہ تو اسے ڈھنگ سے پتنگ اڑانی آتی تھی اور نہ ہی اس وقت ہوا چل رہی تھی۔ حالانکہ صبح کا وقت تھا پھر بھی گرمی اور حبس سے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ شاہد نے جب ساجدہ سے کہا کہ وہ پتنگ کو اُچھالا دے تو چھت کے آخری کونے پر جانے کے چکر میں بیچاری نیچے گرتے گرتے بچی۔ مگر اس کے بعد بھی پتنگ نہ اڑی اور اس پر طرہ یہ کہ شاہد نے مانجھے سے اپنی دو انگلیاں اچھی خاصی کاٹ لیں۔ اس سے بڑی تکلیف ہوئی مگر وہ بجائے رونے دھونے کے خود پر ضبط کیے رہا کیونکہ وہ اس دن آزاد رہنا چاہتا تھا۔

دونوں نے طے کیا کہ پتنگ اڑانا ان کے بس کا کھیل نہیں، کچھ اور کرنا چاہیے۔ بھوک بھی لگی تھی مگر وہ امی سے بات کرنا نہیں چاہ رہے تھے کیونکہ نہ صرف وہ ان کو ناشتے میں زبردستی دودھ پلاتیں بلکہ کمرے سے باہر بھی نکلنے نہیں دیتی تھیں۔

ادھر ساجدہ کی نظر پچھلے کمرے میں پڑی ہوئی سلائی مشین پر جا کر اٹک گئی۔ دونوں کو سلائی مشین چلانے کا بڑا شوق تھا مگر امی کے آگے ان کی کہاں ہمت تھی۔ ساجدہ بولی، دیکھو بھائی جان اب میں تمھیں ایک تھیلا سی کر دکھاؤں گی۔ شاہد نے کہا وہ تو ٹھیک ہے مگر میں بھی تکیے کا غلاف سی سکتا ہوں۔ دونوں میں پہلے مشین چلانے پر جھگڑا کچھ بڑھنے سا لگا۔ مگر پھر دونوں نے ہی خاموش رہنا بہتر سمجھا اور پہلا موقع ساجدہ کو ملا۔ اس نے پاس ہی پڑے ہوئے کپڑے کو دوہرا کیا اور مشین چلانے لگی۔ مشین کے چلتے ہی سوئی میں سے تاگا نکل گیا۔ ساجدہ نے آسانی سے تاگا ڈال دیا کیونکہ اس کو پریکٹس تھی۔ کبھی کبھار جب امی آنکھیں

تھوڑی سی کمزور ہونے کی وجہ سے مشین میں تاگا ڈالنے کو کہتیں تو وہ یہ کام خوشی خوشی کرتی تھی۔ مگر جیسے ہی تاگا ڈال کر ساجدہ نے تھیلا سینے کے لیے کپڑا نیچے رکھا اور مشین چلائی تو مشین کی سوئی اس کی انگلی میں اچھی خاصی گھس گئی۔ وہ تکلیف سے چلاّنے لگی۔ شاہد جھلا کر بولا، ''ارے بے وقوف خاموش رہ!''

مرتی کیا نہ کرتی، ساجدہ اپنے درد کو دبا گئی۔ دونوں کو بھوک اور تیز لگنے لگی تھی۔ مگر کھائیں کیا؟ انھیں تو کچن میں کچھ بھی بنانا نہیں آتا

تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ دونوں اندر جا کر ناشتہ کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ کیونکہ یہ ایک طرح سے ان کی ہار ہوتی۔

شاہد نے ساجدہ سے کہا، ''آؤ ذرا باغ میں چلیں۔'' ان کے باغ میں امرود کے کئی پیڑ لگے تھے اور ان میں کچھ پکے امرود لگ گئے تھے۔ حالانکہ یہ امرودوں کا موسم نہیں تھا پھر بھی بھوک لگنے کی وجہ سے شاہد نے فیصلہ کرلیا کہ وہ امرود کے پیڑ پر چڑھ کر خود بھی امرود کھائے گا اور ساجدہ کو بھی کھلائے گا تاکہ اس سے پیٹ میں دوڑتے چوہوں سے نجات ملے۔

حالانکہ شاہد کی دونوں انگلیوں کا زخم اب بھی تکلیف دے رہا تھا مگر آزادی کا پھل چکھنے شوق اس پر حاوی ہوگیا۔ کسی طرح وہ پیڑ پر چڑھ ہی گیا۔ کچھ امرود توڑ کر بہن کو دیے اور باقی خود پیٹ بھر کر کھائے۔ کچھ دیر بعد اسے نیند سی آنے لگی تو وہ پیڑ سے اترنے لگا۔ تبھی پاؤں پھسلا اور وہ دھڑام سے زمین پر آگرا۔ اس کا ٹخنا پوری طرح مڑ گیا اور درد کی تیز لہر نے اسے دوہرا کردیا۔ درد برداشت سے باہر تھا اور وہ زور سے رونے لگا۔ ادھر ساجدہ کے پیٹ میں بہت زور سے درد اٹھ آیا۔ ایسا لگتا تھا کہ جو امرود اس نے کھائے تھے ان میں سے کسی میں کیڑا لگا ہوا تھا۔ تبھی امی باہر آئیں تو یہ سب دیکھ کر انہیں زور کا جھٹکا لگا اور وہ بھاگتی ہوئی دونوں بچوں کے پاس آگئیں۔ دونوں ہی بری طرح رو رہے تھے۔

تھوڑا سا دلاسہ دینے اور دونوں کی مرہم پٹی کرنے کے بعد انھوں نے پوچھا کہ آخر ایسا کون سا بھوت ان کے سر پر سوار ہوگیا تھا کہ بغیر ناشتہ کیے وہ باغ میں چلے آئے۔ دونوں نے سب کچھ سچ سچ بتادیا۔

امی نے سچ بولنے پر دونوں کو شاباشی دی اور بولیں، ''میرے بچو، تم نے جس طرح آزادی کا مطلب نکالا ہے، اس سے ہندوستان کی آزادی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم تمام بندشوں کو، تمام اصولوں کو اور تمام قاعدے قانون کو طاق پر رکھ دیں۔ آزادی کے ساتھ کچھ ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک کو بہت ہی ذمہ دار لوگوں نے، مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، اور مولانا آزاد جیسی عظیم ہستیوں نے آزاد کرایا ہے۔ آزادی کا مطلب من مانی کرنا نہیں ہے۔ من مانی بھی کرو مگر پوری ذمہ داری سے۔ اب تم نے دیکھ لیا کہ غیر ذمہ داری کے ساتھ آزادی کا استعمال کتنا خطرناک ہوسکتا ہے۔''

دونوں بچے امّی سے لپٹ گئے۔ ان کی آنکھیں نم تھیں۔ دونوں سمجھنے لگے تھے کہ آزادی کا صحیح مطلب کیا ہے۔ □

♦ فیروز بخت احمد، اے۔202 ادیبہ مارکیٹ واپارٹمنٹس ذاکر نگر نئی دہلی۔110025

نظم

□ جاوید اکرم

عید کا دن

دشمنی کیسی کیسا شکوہ گلہ
کیسی نفرت کہاں کا بغض وعناد

عید کا دن مسرتوں کا دن
سب کی خوشیوں کا، چاہتوں کا دن
کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہے آج
آج کا دن خوشی کی ہے معراج
کیسی مستی ہے ان ہواؤں میں
خوشبوئیں گھل گئیں فضاؤں میں
شادمانی ہی شادمانی ہے
آج بچوں کی حکمرانی ہے
جھوم اٹھا ہے ایک اک ذرّہ
ناچ اٹھی ہے کائنات بھی آج
آج کا دن خوشی کی ہے معراج
مٹ گئے دل سے نفرتوں کے داغ
جل اٹھے ہیں محبتوں کے چراغ
کوئی ہندو نہ کوئی مسلم ہے
کوئی سکھ ہے نہ کوئی عیسائی
مل رہے ہیں گلے سب آپس میں
دے رہے ہیں سبھی مبارکباد
عید لاتی ہے امن کا پیغام
سارے شکوے گلے مٹاتی ہے
عید سب کو گلے لگاتی ہے
عید کادن ہے زندگی کا دن
ایک اک شخص کی خوشی کا دن
سال میں ایک بار آتی ہے
راحتیں بے شمار لاتی ہے
سب کے دامن میں پھول کھلتے رہیں
یوں ہی آپس میں لوگ ملتے رہیں

یوں ہی خوشیوں کی دید ہوتی رہے
یعنی ! ہر روز عید ہوتی رہے

□

♦ جاوید اکرم، کیندریہ ودیالہ۔ آئی آئی ایم پرینڈرنگر، لکھنؤ۔ 226013

نظم

محبوب حسن ہمدم

سب کے دل کو بھاتی عید

سب کے دل کو بھاتی عید
خوشیاں کتنی لاتی عید!
جوتے نئے دلاتی عید
کپڑے بھی سلواتی عید
نئی شیروانی کی خاطر
ٹوپی بھی دلواتی عید
رنگ برنگے غبّاروں میں
کیا کیا رنگ دکھاتی عید!
بازاروں میں رونق لاکر
کیسی دھوم مچاتی عید
بچّے اور بڑے سب خوش ہیں
شیر سویاں لاتی عید
جھوم اٹھا ہے سارا محلّہ
سب کا دل بہلاتی عید
بغض اور نفرت دور ہوئے سب
سب کو گلے ملاتی عید
مذہب کا یہ فرق نہ جانے
سب کو پاس بلاتی عید
غم مایوسی اور اندھیرا
سب کو دور بھگاتی عید
نئی آرزو نئی امنگیں
کیا کیا لے کر آتی عید
میلے ٹھیلے خوب لگے ہیں
بچّوں کو بہلاتی عید
ہمدم تم بھی اُچھلو کودو
روز نہیں ہے آتی عید

♦ محبوب حسن ہمدم، برہم پتر ہوسٹل، جے این یو، نئی دہلی۔ 110067

عید گاہ

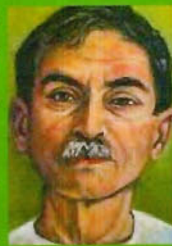

منشی پریم چند

نانی کے صندوق سے اس مرتبہ ہمیں تمھارے لیے ایک بہت ہی پیارا تحفہ ملا ہے۔ منشی پریم چند کی مشہور کہانی 'عید گاہ'۔ کہتے ہیں 'عید' کے موضوع پر اس سے بہتر کوئی کہانی آج تک اردو میں نہیں لکھی گئی ہے۔ تم میں سے کئی نے یہ کہانی پہلے بھی پڑھی ہوگی، یا پھر آگے چل کر پڑھو گے۔ کہانی ذرا بڑی ہے اور ہمارے آٹھ صفحوں کی جگہ لے رہی ہے۔ پھر بھی اسے ہم چھاپ رہے ہیں کیوں کہ عید کے تہوار کی خوشی اور ہماری ہندوستانی تہذیب کے رشتے کو جس دردمندی سے اس کہانی میں بیان کیا گیا ہے وہ واقعی بار بار دوہرائے جانے کے لائق ہے۔ اور پھر عید کا موقع بھی ہے۔ **مدیر**

رمضان کے پورے تیس روزوں کے بعد آج عید آئی ہے۔ کتنی سہانی اور رنگین صبح ہے۔ بچے کی طرح پر تبسم، درختوں پر کچھ عجیب ہریاول ہے۔ کھیتوں میں کچھ عجیب رونق ہے۔ آسمان پر کچھ عجیب فضا ہے۔ آج کا آفتاب دیکھو کتنا پیارا ہے گویا دنیا کو عید کی خوشی پر مبارکباد دے رہا ہے۔ گاؤں میں کتنی چہل پہل ہے۔ عید گاہ جانے کی دھوم ہے۔ کسی کے کرتے میں بٹن نہیں ہیں تو سوئی تاگا لینے دوڑا جا رہا ہے۔ کسی کے جوتے سخت ہو گئے ہیں۔ اسے تیل اور پانی سے نرم کر رہا ہے۔ جلدی جلدی بیلوں کو سانی پانی دے دیں۔ عید گاہ سے لوٹتے لوٹتے دوپہر ہو جائے گی۔ تین کوس کا پیدل راستہ پھر سینکڑوں رشتے قرابت والوں سے ملنا ملانا۔ دوپہر سے پہلے لوٹنا غیر ممکن ہے۔ لڑکے سب سے زیادہ خوش ہیں۔ کسی نے ایک روزہ رکھا۔ وہ بھی دوپہر تک۔ کسی نے وہ بھی نہیں لیکن عید گاہ جانے کی خوشی ان کا حصہ ہے روزے بڑے بوڑھوں کے لیے ہوں گے۔ بچوں کے لیے تو عید ہے۔ روز عید کا نام رٹتے تھے۔ آج وہ آ گئی۔ اب جلدی پڑی ہوئی ہے کہ عید گاہ کیوں نہیں چلتے۔ انھیں گھر کی فکروں سے کیا واسطہ؟ سویوں کے لیے گھر میں دودھ، شکر اور میوے ہیں یا نہیں۔ اس کی انھیں کیا فکر۔ وہ کیا جانیں ابا کیوں بدحواس گاؤں کے مہاجن چودھری قاسم علی کے گھر دوڑے جا رہے ہیں۔ ان کی اپنی جیبوں میں تو قارون کا خزانہ رکھا ہوا ہے۔ بار بار جیب سے اپنا خزانہ نکال کر گنتے ہیں۔ دوستوں کو دکھاتے ہیں اور خوش ہو کر رکھ لیتے ہیں۔ ان ہی دو چار پیسوں میں دنیا کی ساری نعمتیں لائیں گے۔ کھلونے اور مٹھائیاں اور بگل۔ اور خدا جانے کیا کیا اور سب سے زیادہ خوش ہے حامد۔ وہ چار سال کا غریب صورت بچہ ہے جس کا باپ پچھلے سال ہیضہ کی نذر ہو گیا۔ اور ماں نہ جانے کیوں زرد ہوتی ہوتی ایک دن مر گئی۔ کسی کو پتہ نہ چلا کیا بیماری ہے۔ کہتی کس سے، کون سننے والا تھا۔ دل پر جو گزرتی تھی سہتی تھی اور جب نہ سہا گیا تو دنیا سے رخصت ہو گئی۔ اب حامد اپنی بوڑھی دادی امینہ کی گود میں سوتا ہے اور اتنا ہی خوش ہے۔ اس کے ابا جان بڑی دور روپے کمانے گئے ہیں۔ بہت سی تھیلیاں لے کر آئیں گے۔ امی جان اللہ میاں کے گھر مٹھائی لینے گئی ہیں۔ اس لیے خاموش ہے۔ حامد کے پاؤں میں جوتے نہیں ہیں۔ سر پر ایک پرانی دھرانی ٹوپی ہے جس کا گوٹا سیاہ ہو گیا ہے پھر بھی وہ خوش ہے۔ جب اس کے ابا جان تھیلیاں اور اماں جان نعمتیں لے کر آئیں گی تب وہ دل کے ارمان نکالے گا۔ تب دیکھے گا کہ محمود اور محسن، نور اور سمیع کہاں سے اتنے پیسے لاتے ہیں۔ دنیا اپنی مصیبتوں کی ساری فوج لے کر آئے، اس کی ایک نگاہ معصوم اسے پامال کرنے کے لیے کافی ہے۔

حامد اندر جا کر امینہ سے کہتا ہے "تم ڈرنا نہیں اماں، میں گاؤں والوں کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ بالکل نہ ڈرنا۔" لیکن امینہ کا دل نہیں مانتا۔ گاؤں کے بچے اپنے اپنے باپ کے ساتھ جا رہے ہیں۔ حامد کیا اکیلا ہی جائے گا۔ اس بھیڑ بھاڑ میں کہیں کھو جائے تو کیا ہو۔ نہیں امینہ

اسے تنہا نہ جانے دے گی۔ ننھی سی جان۔ تین کوس چلے گا، پاؤں میں چھالے نہ پڑ جائیں گے۔

مگر وہ چلی جائے تو یہاں سویاں کون پکائے گا۔ بھوکا پیاسا دوپہر کو لوٹے گا۔ کیا اس وقت سویاں پکانے بیٹھے گی۔ رونا تو یہ ہے کہ امینہ کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اس نے فہیمن کے کپڑے سئے تھے۔ آٹھ آنے پیسے ملے تھے۔ اس اٹھنی کو ایمان کی طرح بچاتی چلی آئی تھی اس عید کے لیے لیکن کل گھر میں اور پیسے نہ تھے اور گوالن کے پیسے چڑھ گئے تھے۔ دینے پڑے۔ حامد کے لیے روز دو پیسے کا دودھ تو لینا پڑتا ہے۔ اب کل دو آنے پیسے بچ رہے ہیں۔ تین پیسے حامد کی جیب میں اور پانچ امینہ کے بٹوے میں۔ یہی بساط ہے۔ اللہ ہی بیڑا پار کرے۔ دھوبن، مہترانی اور نائن سبھی تو آئیں گی۔ سب کو سویاں چاہئیں۔ کس کس سے منہ چھپائے؟ سال بھر کا تہوار ہے۔ زندگی خیریت سے رہے۔ ان کی تقدیر بھی تو اس کے ساتھ ہے۔ بچے کو خدا سلامت رکھے۔ یہ دن بھی یوں ہی کٹ جائیں گے۔

گاؤں سے لوگ چلے اور بچوں کے ساتھ حامد بھی تھا۔ سب کے سب دوڑ کر آگے نکل جاتے۔ پھر کسی درخت کے نیچے کھڑے ہو کر ساتھ والوں کا انتظار کرتے۔ یہ لوگ کیوں اتنے آہستہ آہستہ چل رہے ہیں؟

شہر کا سواد شروع ہو گیا۔ سڑک کے دونوں طرف امیروں کے باغ ہیں۔ پختہ چہار دیواری بنی ہوئی ہے۔ درختوں میں آم لگے ہوئے ہیں۔ حامد نے ایک کنکری اٹھا کر ایک آم پر نشانہ لگایا۔ مالی اندر سے گالی دیتا ہوا باہر آیا۔ بچے وہاں سے ایک فرلانگ پر ہیں۔ خوب ہنس رہے ہیں۔ مالی کو کیسا الو بنایا۔

بڑی بڑی عمارتیں آنے لگیں۔ یہ عدالت ہے، یہ مدرسہ ہے، یہ کلب گھر ہے اتنے بڑے مدرسہ میں کتنے سارے لڑکے پڑھتے ہوں گے۔ لڑکے نہیں ہیں جی۔ بڑے بڑے آدمی ہیں۔ سچ ان کی بڑی بڑی موچھیں ہیں۔ اتنے بڑے ہو گئے اب تک پڑھتے جاتے ہیں۔ آج تو چھٹی ہے لیکن ایک بار جب پہلے آئے تھے تو بہت سی داڑھی موچھوں والے لڑکے یہاں کھیل رہے تھے۔ نہ جانے کب تک پڑھیں گے اور کیا کریں گے اتنا پڑھ کر۔ گاؤں کے دیہاتی مدرسے میں دو تین بڑے بڑے لڑکے ہیں۔ بالکل گودن غبی۔ کام سے جی چرانے والے۔ یہ لڑکے بھی اسی طرح کے ہوں گے جی۔ اور کیا نہیں۔ کیا اب تک پڑھتے ہوتے۔ وہ کلب گھر ہے۔ وہاں جادو کا کھیل ہوتا ہے۔ سنا ہے مردوں کی کھوپڑیاں اڑتی ہیں۔ آدمی کو بے ہوش کر دیتے ہیں۔ پھر اس سے جو کچھ پوچھتے ہیں، وہ سب بتلا دیتا ہے اور بڑے بڑے تماشے ہوتے ہیں اور میمیں بھی کھیلتی ہیں۔ سچ، ہماری اماں کو وہ دے دو۔ کیا کہلاتا ہے 'بیٹ' تو اسے گھماتے ہی لڑھک جائیں۔

محسن نے کہا ''ہماری امی جان تو اسے پکڑ ہی نہ سکیں۔ ہاتھ کانپنے لگے اللہ کی قسم۔''

حامد نے اس سے اختلاف کیا۔ ''چلو، منوں آٹا پیس ڈالتی ہیں۔ ذرا سی بیٹ پکڑ لیں گی تو ہاتھ کانپنے لگے گا۔ سینکڑوں گھڑے پانی روز نکالتی ہیں۔ کسی میم کو ایک گھڑا پانی نکالنا پڑے تو آنکھوں تلے اندھیرا آ جائے۔''

محسن: ''لیکن دوڑتی تو نہیں، اچھل کود نہیں سکتیں۔''

حامد: ''کام آ پڑتا ہے تو دوڑ بھی لیتی ہیں۔ ابھی اس دن تمھاری گائے کھل گئی تھی، اور چودھری کے کھیت میں جا پڑی تھی تو تمھاری اماں ہی تو دوڑ کر اسے بھگا لائی تھیں۔ کتنی تیزی سے دوڑی تھیں۔ ہم تم دونوں ان سے پیچھے رہ گئے۔''

پھر آگے چلے۔ حلوائیوں کی دکانیں شروع ہوئیں۔ آج خوب سجی ہوئی تھیں، اتنی مٹھائیاں کون کھاتا ہے؟ دیکھو نا، ایک ایک دکان پر منوں ہوں گی۔ سنا ہے رات کو ایک جنات ہر ایک دکان پر جاتا ہے۔ جتنا مال بچا ہوتا ہے وہ سب خود خرید لیتا ہے، اور سچ مچ کے روپے دیتا ہے۔ بالکل ایسے ہی چاندی کے روپے۔

محمود کو یقین نہ آیا۔ ایسے روپے جنات کو کہاں سے مل جائیں گے۔

محسن: ''جنات کو روپوں کی کیا کمی؟ جس خزانہ میں چاہیں چلے جائیں۔ کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ لوہے کے دروازے تک نہیں روک سکتے جناب، آپ ہیں کس خیال میں۔ ہیرے جواہرات ان کے پاس رہتے ہیں جس سے خوش ہوگئے اُسے ٹوکروں جواہرات دے دیے۔ پانچ منٹ میں کہو کابل پہنچ جائیں۔''

حامد: ''جنات بہت بڑے ہوتے ہوں گے۔''

محسن: ''اور کیا۔ ایک ایک آسمان کے برابر ہوتا ہے۔ زمین پر کھڑا ہو جائے، اس کا سر آسمان سے جا لگے۔ مگر چاہے تو ایک لوٹے میں گھس جائے۔''

سمیع ''سنا ہے چودھری صاحب کے قبضہ میں بہت سے جنات ہیں، کوئی چیز چوری چلی جائے، چودھری صاحب اس کا پتہ بتادیں گے، اور چور کا نام تک بتادیں گے۔ جمعراتی کا بچھڑا اس دن کھو گیا تھا۔ تین دن حیران ہوئے کہیں نہ ملا۔ تب جھک مار کر چودھری کے پاس گئے۔ چودھری نے کہا مویشی خانہ میں ہے اور وہیں ملا۔ جنات آکر انھیں سب خبریں دے جایا کرتے ہیں۔''

اب ہر ایک کی سمجھ میں آ گیا کہ چودھری قاسم علی کے پاس کیوں اس قدر دولت ہے، اور کیوں وہ قرب و جوار کے مواضعات کے مہاجن ہیں۔ جنات آکر انھیں روپے دے آتے ہیں۔ آگے چلیے۔ یہ پولیس لائن ہے۔ یہاں پولیس والے قواعد کرتے ہیں۔ رائٹ، لپ، پھام، پھو!

نوری نے تصحیح کی۔ ''یہاں پولیس والے پہرہ دیتے ہیں۔ جب ہی تمھیں بہت خبر ہے۔ اجی حضرت! یہ لوگ چوریاں کراتے ہیں۔ شہر کے جتنے چور ڈاکو ہیں۔ سب ان سے ملے رہتے ہیں۔ رات کو یہ سب ایک محلّہ میں چوروں سے کہتے ہیں، چوری کرو اور دوسرے محلے میں پکارتے ہیں، جاگتے رہو۔ میرے ماموں ایک تھانہ میں سپاہی ہیں۔ بیس روپے مہینہ پاتے ہیں، لیکن تھیلیاں بھر بھر کے گھر بھیجتے ہیں۔ اللہ قسم تھیلیاں بھر بھر کے۔ میں نے ایک بار پوچھا تھا۔ ماموں اتنے روپے آپ کہاں سے لاتے ہیں۔ ہنس کر کہنے لگے۔ بیٹا اللہ دیتا ہے۔ خود ہی بعد کو کہا کہ ہم لوگ چاہیں تو ایک دن میں لاکھوں مار لائیں۔ ہم تو اتنا ہی لیتے ہیں جس میں اپنی بدنامی نہ ہو اور نوکری بنی رہے۔''

حامد نے تعجب سے پوچھا ''یہ لوگ چوری کراتے ہیں تو انھیں کوئی پکڑتا نہیں۔''

نوری نے اس کی کوتاہ فہمی پر رحم کھا کر کہا ''ارے احمق، انھیں کون پکڑے گا۔ پکڑنے والے تو یہ خود ہیں لیکن اللہ انھیں سزا بھی خوب دیتا ہے۔ تھوڑے دن ہوئے ماموں کے گھر میں آگ لگ گئی۔ سارا مال متاع جل گیا۔ ایک برتن تک نہ بچا کئی دن تک درخت کے نیچے سوئے اللہ قسم! پھر نہ جانے کہاں سے قرض لائے تو برتن بھانڈے آئے۔''

بستی گھنی ہونے لگی۔ عیدگاہ جانے والوں کے مجمع نظر آنے لگے۔ ایک سے ایک زرق برق پوشاک پہنے ہوئے۔ کوئی تانگے پر سوار کوئی موٹر پر، چلتے تھے، تو کپڑوں سے عطر کی خوشبو اڑتی تھی۔

دہقانوں کی یہ مختصر سی ٹولی اپنی بے سروسامانی سے بے حس، اپنی خستہ حالی میں مگن صابر و شاکر چلی جاتی تھی۔ جس چیز کی طرف تاکتے، تاکتے رہ جاتے اور پیچھے سے بار بار ہارن کی آواز ہونے پر بھی خبر نہ ہوتی۔ محسن تو موٹر کے نیچے جاتے جاتے بچا۔

وہ عیدگاہ نظر آئی۔ جماعت شروع ہوگئی۔ اوپر املی کے گھنے درختوں کا سایہ ہے نیچے کھلا ہوا پختہ فرش ہے، جس پر جاجم بچھا ہوا ہے۔ اور نمازیوں کی قطاریں ایک کے پیچھے دوسری۔ خدا جانے کہاں تک چلی گئی ہیں۔ پختہ فرش کے نیچے جاجم بھی نہیں۔ کئی قطاریں کھڑی ہیں، جو آتے جاتے ہیں، پیچھے کھڑے ہوتے جاتے ہیں۔ آگے اب جگہ نہیں

رہی۔ یہاں کوئی رتبہ اور عہدہ نہیں دیکھتا۔ اسلام کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں۔ دہقانوں نے بھی وضو کیا اور جماعت میں شامل ہو گئے کتنی باقاعدہ نظم جماعت ہے۔ لاکھوں آدمی ایک ساتھ جھکتے ہیں۔ ایک ساتھ دوزانو بیٹھ جاتے ہیں اور یہ عمل بار بار ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے، گویا بجلی کی لاکھوں بتیاں ایک ساتھ روشن ہو جائیں اور ایک ساتھ بجھ جائیں۔ کتنا پر احترام رعب انگیز نظارہ ہے جس سے ہم آہنگی اور وسعت اور تمام دلوں پر ایک وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا اخوت کا ایک رشتہ ان تمام روحوں کو منسلک کیے ہوئے ہے۔

نماز ختم ہوگئی ہے۔ لوگ باہم مل رہے ہیں۔ کچھ لوگ محتاجوں اور سائلوں کو خیرات کر رہے ہیں۔ جو آج یہاں ہزاروں جمع ہوگئے ہیں۔ ہمارے دہقانیوں نے مٹھائی اور کھلونوں کی دکانوں پر یورش کی۔ بوڑھے ان دلچسپیوں میں بچوں سے کم محظوظ نہیں ہیں۔ یہ دیکھو ہنڈولا ہے۔ ایک پیسہ دے کر آسمان پر جاتے معلوم ہوگئے۔ کبھی زمین پر گرتے۔ یہ چرخی ہے۔ لکڑی کے گھوڑے، اونٹ، ہاتھی میخوں سے لٹکے ہوئے ہیں۔ ایک پیسہ دے کر بیٹھ جاؤ اور پچیس چکروں کا مزا لو۔ محمود اور محسن ہنڈولے پر بیٹھے ہیں۔ حامد دور کھڑا ہے۔ تین ہی پیسے تو اس کے پاس ہیں۔ ذرا سا چکر کھانے کے لیے وہ اپنے خزانہ کا ثلث (ایک تہائی) نہیں صرف کر سکتا۔ محسن کا باپ اسے بار بار چرخی پر بلاتا ہے، لیکن وہ راضی نہیں ہوتا۔ بوڑھے کہتے ہیں، اس لڑکے میں ابھی سے اپنا پرایا آ گیا۔ حامد سوچتا ہے، کیوں کسی کا احسان لوں۔ عسرت (غریبی) نے اسے ضرورت سے زیادہ ذکی الحس (زیادہ محسوس کرنے والا) بنا دیا ہے۔

سب لوگ چرخی سے اترتے ہیں۔ کھلونوں کی خرید شروع ہوتی ہے۔ سپاہی اور گجریا اور راجہ رانی اور وکیل اور دھوبی اور بہشتی بے امتیاز ران سے ران ملائے بیٹھے ہیں۔ دھوبی راجہ رانی کی بغل میں ہے اور بہشتی وکیل صاحب کی بغل میں۔ واہ کتنے خوبصورت، بولا ہی چاہتے ہیں۔ محمود سپاہی پر لٹو ہو جاتا ہے۔ خاکی وردی اور لال پگڑی۔ کندھے پر بندوق۔ معلوم ہوتا ہے ابھی قواعد کے لیے چلا آ رہا ہے۔ محسن کو بہشتی پسند آیا۔ کمر جھکی ہوئی ہے۔ اس پر مشک کا دہانہ ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہے۔ دوسرے ہاتھ میں رسّی ہے۔ کتنا بشاش چہرہ ہے۔ شاید کوئی گیت گا رہا ہے۔ مشک سے پانی ٹپکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ نوری کو وکیل سے مناسبت ہے۔ کتنی عالمانہ صورت ہے۔ سیاہ چغہ نیچے سفید اچکن، اچکن کے سینہ کی جیب میں سنہری زنجیر، ایک ہاتھ میں قانون کی کتاب لیے ہوئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے ابھی کسی عدالت سے جرح یا بحث کر کے

چلے آ رہے ہیں۔ یہ سب دو دو پیسے کے کھلونے ہیں۔ حامد کے پاس کل تین پیسے ہیں۔ اگر دو کا ایک کھلونا لے لے تو پھر اور کیا لے گا۔ نہیں، کھلونے فضول ہیں، کہیں ہاتھ سے گر پڑے تو چور چور ہو جائے۔ ذرا سا پانی پڑ جائے تو سارا رنگ دُھل جائے۔ ان کھلونوں کو لے کر وہ کیا کرے گا۔ کس مصرف کے ہیں۔

محسن کہتا ہے ”میرا بہشتی روز پانی دے جائے گا صبح و شام۔“

محمود ”اور میرا سپاہی گھر کا پہرہ دے گا۔ کوئی چور آئے گا تو فوراً بندوق سے فائر کر دے گا۔“

نوری: ”اور میرا وکیل روز مقدمے لڑائے گا اور روز روپے لائے گا۔“

حامد کھلونوں کی مذمت کرتا ہے۔ مٹی ہی کے تو ہیں۔ گریں تو چکنا چور ہو جائیں۔ وہ چیز کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ ذرا دیر کے لیے میں ہاتھ میں لے سکتا۔ یہ بساطی کی دکان ہے طرح طرح کی ضروری چیزیں، ایک اور بچھی ہوئی ہے۔ گیند، سیٹیاں، بگل، بھونرے، ربڑ کے کھلونے اور ہزاروں چیزیں۔ وہ ایک سیٹی لیتا ہے، محمود گیند، نوری ربڑ کا بط جو چوں چوں کرتا ہے اور سمیع ایک بانسری۔ اسے بجا بجا کر وہ گائے گا۔ حامد کھڑا ہر ایک کو حسرت سے دیکھ رہا ہے۔ جب اس کے رفیق کوئی چیز خرید لیتے ہیں تو وہ بڑے

اشتیاق سے ایک بار اسے ہاتھ میں لے کر دیکھنے کے لیے لپکتا ہے۔ لیکن لڑکے اتنے دوست نواز نہیں ہوتے۔ خاص کر جب کہ ابھی دلچسپی تازہ ہے۔ بچارا یوں ہی مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔

کھلونوں کے بعد مٹھائیوں کا نمبر آیا۔ کسی نے ریوڑیاں لی ہیں۔ کسی نے گلاب جامن، کسی نے سوہن حلوا۔ مزے سے کھا رہے ہیں۔ حامد ان کی برادری سے خارج ہے۔ کم بخت کی جیب میں تین پیسے تو ہیں۔ کیوں نہیں کچھ لے کر کھاتا۔ حریص نگاہوں سے سب کی طرف دیکھتا ہے۔

محسن نے کہا ''حامد یہ ریوڑی لے جا کتنی خوشبودار ہیں؟''

حامد سمجھ گیا یہ محض شرارت ہے۔ محسن اتنا فیاض طبع نہ تھا، پھر بھی وہ اس کے پاس گیا۔ محسن نے دونے سے دو تین ریوڑیاں نکالیں۔ حامد کی طرف بڑھائیں۔ حامد نے ہاتھ پھیلایا۔ محسن نے ہاتھ کھینچ لیا اور ریوڑیاں اپنے منھ میں رکھ لیں۔ محمود اور نور اور سمیع خواب تالیاں بجا بجا کر ہنسنے لگے۔

حامد کھسیانا ہو گیا۔

محسن نے کہا ''اچھا اب ضرور دیں گے۔ یہ لے جاؤ حامد اللہ قسم۔''

حامد نے کہا ''رکھیے رکھیے۔ کیا میرے پاس پیسے نہیں ہیں؟'' سمیع بولا ''تین ہی پیسے تو ہیں۔ کیا کیا لوگے؟''

محمود: ''تم اس سے مت بولو۔ حامد میرے پاس آؤ۔ یہ گلاب جامن لے لو!''

حامد: ''مٹھائی کون بڑی نعمت ہے۔ کتاب میں اس کی برائیاں لکھی ہیں۔''

محسن: ''لیکن جی میں کہہ رہے ہو گے کہ کچھ مل جائے تو کھالیں۔ اپنے پیسے کو نہیں نکالتے۔''

محمود: ''میں اس کی ہوشیاری سمجھتا ہوں جب ہمارے سارے پیسے خرچ ہو جائیں گے، تب یہ مٹھائی لے گا اور ہمیں چڑھا کر کھائے گا۔''

حلوائیوں کی دکانوں کے آگے کچھ دکانیں لوہے کی چیزوں کی تھیں۔ کچھ گلٹ اور ملمع کے زیورات کی۔ لڑکوں کے لیے یہاں دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ حامد لوہے کی دکان پر ایک لمحہ کے لیے رک گیا۔ دست پناہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ دست پناہ خریدے گا۔ اماں کے پاس دست پناہ نہیں ہے۔ توے سے روٹیاں اتارتی ہیں تو ہاتھ جل جاتا ہے، اگر وہ دست پناہ لے جا کر اماں کو دے دے تو وہ کتنی خوش ہوں گی۔ پھر ان کی انگلیاں کبھی نہ جلیں گی۔ گھر میں ایک کام کی چیز ہو جائے گی۔ کھلونوں سے کیا فائدہ، مفت میں پیسے خراب ہوتے ہیں۔ ذرا دیر ہی تو خوشی ہوتی ہے۔ پھر تو انھیں کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ یا تو گھر پہنچتے پہنچتے ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائیں گے یا چھوٹے بچے جو عیدگاہ نہیں جا سکے ہیں، ضد کر کے لے لیں گے اور توڑ ڈالیں گے۔ دست پناہ کتنے فائدہ کی چیز ہے! روٹیاں توے سے اُتار لو۔ چولھے سے آگ نکال کر دے دو۔ اماں کو کہاں فرصت ہے بازار آئیں اور اتنے پیسے کہاں ملتے ہیں۔ روز ہاتھ جلا لیتی ہیں۔ اس کے ساتھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ سبیل پر سب کے سب پانی پی رہے ہیں۔ کتنے لالچی ہیں۔ سب نے اتنی مٹھائیاں لیں۔ کسی نے مجھے ایک بھی نہ دی۔ اس پر کہتے ہیں میرے ساتھ کھیلو، میری تختی دھلواؤ۔ اب اگر میاں محسن نے کوئی کام کرنے کو کہا تو خبر لوں گا۔ کھائیں مٹھائیاں۔ پھوڑے پھنسیاں نکلیں گی۔ آپ ہی چٹوری زبان ہو جائے گی۔ تب پیسے چرائیں گے اور مار کھائیں گے۔ میری زبان کیوں خراب ہوگی۔ اس نے پھر سوچا۔ اماں دست پناہ دیکھتے ہی دوڑ کر میرے ہاتھ سے لے لیں گی اور کہیں گی میرا بیٹا اپنی اماں کے لیے دست پناہ لایا ہے ہزاروں دعائیں دیں گی۔ پھر اسے پڑوسیوں کو دکھائیں گی۔ سارے گاؤں میں واہ واہ مچ جائے گی۔ ان لوگوں کے کھلونوں پر کون انھیں دعائیں دے گا۔ بزرگوں کی دعائیں سیدھی خدا کی درگاہ میں پہنچتی ہیں اور فوراً قبول ہوتی ہیں۔ میرے پاس بہت سے پیسے نہیں ہیں، جب ہی تو محسن اور محمود یوں مزاج دکھاتے ہیں۔ میں بھی ان کو مزاج دکھاؤں گا وہ کھلونے کھیلیں۔ مٹھائیاں کھائیں۔ میں غریب سہی۔ کسی سے کچھ مانگنے تو نہیں جاتا۔ آخر ابا کبھی نہ کبھی آئیں گے ہی۔ پھر ان لوگوں سے پوچھوں گا کتنے کھلونے لو گے۔ ایک ایک کو ایک ایک ٹوکری دوں اور دکھا دوں کہ دوستوں کے ساتھ

اس طرح سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنے غریب لڑکے ہیں سب کو اچھے اچھے کرتے دلوادوں گا۔ اور کتابیں دے دوں گا۔ یہ نہیں کہ ایک پیسہ کی ریوڑیاں لیں، تو چڑھا چڑھا کر کھانے لگے۔ دست پناہ دیکھ کر سب کے سب خوب ہنسیں گے۔ احمق تو ہیں ہی سب۔ اس نے دوڑتے دوڑتے دکاندار سے پوچھا "یہ دست پناہ بیچو گے؟"

دکاندار نے اس کی طرف دیکھا اور ساتھ کوئی آدمی نہ دیکھ کر کہا

"وہ تمھارے کام کا نہیں۔"

"بکاؤ ہے یا نہیں؟"

"بکاؤ ہے جی۔ اور یہاں کیوں لاد کر لائے ہیں۔"

"تو بتلاتے کیوں نہیں، کے پیسے کا دو گے؟"

"چھ پیسے لگیں گے۔"

حامد کا دل بیٹھ گیا۔ کلیجہ مضبوط کر کے بولا "تین پیسے لو گے؟" اور آگے بڑھا کہ دکاندار کی گھڑکیاں نہ سنے۔ مگر دکاندار نے گھڑکیاں نہ دیں۔ دست پناہ اس کی طرف بڑھا دیا اور پیسے لے لیے۔

حامد نے دست پناہ کندھے پر رکھ لیا، گویا بندوق ہے اور شان سے اکڑتا ہوا اپنے رفیقوں کے پاس آیا۔ محسن نے ہنستے ہوئے کہا "یہ دست پناہ لایا ہے۔ احمق اسے کیا کرے گا؟"

حامد نے دست پناہ کو زمین پر پٹک کر کہا۔ "ذرا اپنا بہشتی زمین پر گرادو۔ ساری پسلیاں چور چور ہو جائیں گی بچارے کی۔"

محمود "تو یہ دست پناہ کوئی کھلونا ہے؟"

حامد "کھلونا کیوں نہیں ہے۔ ابھی کندھے پر رکھا بندوق ہو گیا۔ ہاتھ میں لے لیا۔ فقیر کا چمٹا ہو گیا۔ چاہوں تو اس سے تمھاری ناک پکڑ لوں۔ ایک چمٹا دوں تو تم لوگوں کے سارے کھلونوں کی جان نکل جائے۔ تمھارے کھلونے کتنا ہی زور لگائیں اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ میرا بہادر شیر ہے یہ دست پناہ!"

سمیع متاثر ہو کر بولا "میری خنجری سے بدلو گے۔ دو آنے کی ہے۔"

حامد نے خنجری کی طرف حقارت سے دیکھ کر کہا "میرا دست پناہ چاہے تو تمھاری خنجری کا پیٹ پھاڑ ڈالے۔ بس ایک چمڑے کی جھلی لگا دی۔ ڈھب ڈھب بولنے لگی۔ ذرا سا پانی لگے تو ختم ہو جائے۔ میرا بہادر دست پناہ آگ میں، پانی میں، آندھی میں، طوفان میں برابر ڈٹا کھڑا رہے گا؟"

میلہ بہت دور پیچھے چھوٹ چکا تھا۔ دس بج رہے تھے۔ گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ اب دست پناہ نہیں مل سکتا۔ اب کسی کے پاس پیسے بھی تو نہیں رہے۔ حامد ہے بڑا ہوشیار!

اب دو فریق ہو گئے۔ محمود، محسن اور نوری ایک طرف، حامد یکہ و تنہا دوسری طرف۔ سمیع غیر جانب دار ہے۔ جس کی فتح دیکھے گا اس کی طرف جائے گا۔ مناظرہ شروع ہو گیا۔ آج حامد کی زبان بڑی صفائی سے چل رہی ہے۔ اتحاد ثلاثہ (تین آدمیوں کا ایکا) اس کے جارحانہ عمل سے پریشان ہو رہا ہے۔ ثلاثہ کے پاس تعداد کی طاقت ہے۔ حامد کے پاس حق اور اخلاق۔ ایک طرف مٹی، ربڑ اور لکڑی کی چیزیں، دوسری جانب اکیلا لوہا۔ جو اس وقت اپنے کوقود کہہ رہا ہے وہ روئیں تن ہے۔ صف شکن ہے۔ اگر کہیں شیر کی آواز کان میں آجائے تو میاں بہشتی کے اوسان خطا ہو جائیں۔ میاں سپاہی مٹی کی بندوق چھوڑ کر بھاگیں۔ وکیل صاحب کا سارا قانون پیٹ میں سما جائے۔ چغے میں منھ چھپا کر زمین پر لیٹ جائیں مگر یہ بہادر، یہ رستم ہند لپک کر شیر کی گردن پر سوار ہو جائے گا اور اس کی آنکھیں نکال لے گا۔

محسن نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کہا "اچھا تمھارا دست پناہ پانی تو نہیں بھر سکتا۔"

حامد نے دست پناہ کو سیدھا کر کے کہا "یہ بہشتی کو ایک ڈانٹ

بتائے گا، تو دوڑا ہوا پانی لاکر اس کے دروازے پر چھڑکنے لگے گا۔ جناب پھر اس سے چاہے گھڑے مٹکے اور گوندے بھر ڈالو۔"

محسن کا ناطقہ بند ہوگیا۔ نوری نے کمک پہنچائی۔ "بچّا گرفتار ہوجائیں تو عدالت میں بندھے بندھے پھریں گے۔ تب تو ہمارے وکیل صاحب ہی پیروی کریں گے بولیے جناب!"

حامد کے پاس اس وار کا دفعیہ اتنا آسان نہ تھا۔ دفعتاً اس نے ذرا مہلت پا جانے کے ارادے سے پوچھا "اسے پکڑنے کون آئے گا؟"

محمود نے کہا "یہ سپاہی بندوق والا۔"

محمود نے کہا "یہ سپاہی بندوق والا۔"

حامد نے منھ چڑھا کر کہا "یہ بے چارے اس رستم ہند کو پکڑیں گے؟ اچھا لاؤ ابھی ذرا مقابلہ ہوجائے۔ اس کی صورت دیکھتے ہی بچہ کی ماں مرجائے گی۔ پکڑیں گے کیا بے چارے۔"

محسن نے تازہ دم ہوکر وار کیا۔ "تمھارے دست پناہ کا منھ روز آگ میں جلے گا۔"

حامد کے پاس جواب تیار تھا "آگ میں بہادر کودتے ہیں جناب۔ تمھارے یہ وکیل اور سپاہی اور بہشتی ڈرپوک ہیں۔ سب گھر میں گھس جائیں گے۔ آگ میں کودنا وہ کام ہے، جو رستم ہی کرسکتا ہے۔"

نوری نے انتہائی جودت سے کام لیا۔ "تمھارا دست پناہ باورچی خانہ میں زمین پر پڑا رہے گا۔ میرا وکیل شان سے میز کرسی لگا کر بیٹھے گا۔" اس جملہ نے مردوں میں بھی جان ڈال دی۔ سمیع بھی جیت گیا۔ "بے شک بڑے معرکے کی بات کہی۔ دست پناہ باورچی خانہ میں پڑا رہے گا۔" حامد نے دھاندلی کی۔ "میرا دست پناہ باورچی خانہ میں نہیں رہے گا۔ وکیل صاحب اُسی پر بیٹھیں گے تو جاکر انھیں زمین پر پٹک دے گا اور سارا قانون ان کے پیٹ میں ڈال دے گا۔"

اس جواب میں بالکل جان نہ تھی۔ بالکل بے تکی سی بات تھی۔

لیکن قانون پیٹ میں ڈالنے والی بات چھا گئی۔ ایسی چھا گئی کہ تینوں سورما منھ تکتے رہ گئے۔ حامد نے میدان جیت لیا۔ گو ثلاثہ کے پاس ابھی گیند، سیٹی اور بطِ ریزرو تھے مگر ان مشین گنوں کے سامنے ان پٹاخوں کو کون پوچھتا۔ دست پناہ رستم ہند ہے۔ اس میں کسی کو چوں و چرا کی گنجائش نہیں۔

فاتح کو مفتوحوں سے وقار اور خوشامد کا خراج ملتا ہے، وہ حامد کو ملنے لگا اوروں نے تین تین آنے خرچ کیے اور کوئی کام کی چیز نہ لے سکے۔ حامد نے تین ہی پیسوں میں رنگ جمالیا۔ کھلونوں کا کیا اعتبار۔ دو ایک دن میں ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ حامد کا دست پناہ تو فاتح رہے گا۔ ہمیشہ صلح کی شرطیں طے ہونے لگیں۔

محسن نے کہا "ذرا اپنا چمٹا دو۔ ہم بھی دیکھیں۔ تم چاہو تو ہمارا وکیل دیکھو۔" حامد کو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ فیاض طبع فاتح ہے۔ دست پناہ باری باری سے محسن، محمود، نور اور سمیع سب کے ہاتھوں میں گیا۔ اور ان کے کھلونے باری باری سے حامد کے ہاتھ میں آئے۔ کتنے خوبصورت کھلونے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے بولا ہی چاہتے ہیں مگر ان کھلونوں کے لیے انھیں دعا کون دے گا؟ کون کون ان کھلونوں کو دیکھ کر اتنا خوش ہوگا۔ جتنا اماں جان دست پناہ کو دیکھ کر ہوں گی اسے اپنے طرزِ عمل پر مطلق پچھتاوا نہیں ہے۔ پھر اب تو دست پناہ رستم ہے اور سب کھلونوں کا بادشاہ۔ راستے میں محمود نے ایک پیسے کی ککڑیاں لیں۔ اس میں حامد کو بھی خراج ملا۔ حالانکہ وہ انکار کرتا رہا۔ محسن اور سمیع نے ایک ایک پیسے کے فالسے لیے۔ حامد کو بھی خراج ملا۔ یہ سب رستم ہند کی برکت تھی۔

گیارہ بجے گاؤں میں چہل پہل ہوگئی، میلے والے آگئے۔ محسن کی چھوٹی بہن نے دوڑ کر بہشتی اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور مارے خوشی کے جو اچھلی تو میاں بہشتی نیچے آرہے اور عالم جاودانی کو

سدھارے ۔ اس پر بھائی بہن میں مار پیٹ ہوئی ۔ دونوں خوب روئے، ان کی اماں جان یہ کہرام سن کر اور بگڑیں، دونوں کو اوپر سے دو دو چانٹے رسد کیے۔ میاں نوری کے وکیل کا حشر اس سے بھی بدتر ہوا۔ وکیل زمین پر یا طاق پر تو نہیں بیٹھ سکتا۔ اس کے پوزیشن کا لحاظ تو کرنا ہی ہوگا۔ دیوار میں دو کھونٹیاں گاڑی گئیں۔ ان پر چیڑ کا ایک پرانا پٹرا رکھا گیا۔ پڑے پر سرخ رنگ کا ایک چیتھڑا بچھا دیا گیا۔ جو بمنزلہ قالین کے تھا۔ وکیل صاحب عالم بالا پر جلوہ افروز ہوئے۔ یہیں سے قانونی بحث کریں گے۔ نوری ایک پنکھا لے کر جھلنے لگا۔ معلوم نہیں پنکھے کی ہوا سے یا پنکھے کی چوٹ سے وکیل صاحب عالمِ بالا سے دنیائے فانی میں آرہے اور ان کے جسدِ خاکی کے پُرزے ہوگئے۔ پھر بڑے زور شور کا ماتم ہوا اور وکیل صاحب کی میت پارسی دستور کے مطابق گھورے پر پھینک دی گئی۔ تاکہ بے کار نہ جاکر زاغ وزغن کے کام آجائے۔

اب رہے میاں محمود کے سپاہی۔ محترم اور ذی رعب ہستی ہے۔ اپنے پیروں چلنے کی ذلت اسے گوارا نہیں۔ محمود نے اپنا بکری کا بچہ پکڑا اور اس پر سپاہی کو سوار کیا۔ محمود کی بہن ایک ہاتھ سے سپاہی کو پکڑے ہوئے تھی اور محمود بکری کے بچہ کا کان پکڑ کر اسے دروازے پر چلا رہا تھا اور اس کے دونوں بھائی سپاہی کی طرف سے ''تھونے والے داگتے لہو'' پکارتے چلتے تھے۔ معلوم نہیں کیا ہوا۔ میاں سپاہی اپنے گھوڑے کی پیٹھ سے گر پڑے اور اپنی بندوق لیے زمین پر آرہے۔ ایک ٹانگ مضروب ہوگئی۔ مگر کوئی مضائقہ نہیں، محمود ہوشیار ڈاکٹر ہے۔ ڈاکٹر نگم اور بھاٹیا اس کی شاگردی کرسکتے ہیں اور یہ ٹوٹی ٹانگ کو آناً فاناً میں جوڑ دے گا۔ صرف گولر کا دودھ چاہیے۔ گولر کا دودھ آتا ہے۔ ٹانگ جوڑی جاتی ہے لیکن جوں ہی کھڑا ہوتا ہے ٹانگ پھر الگ ہوجاتی ہے۔ عمل جراحی ناکام ہوجاتا ہے۔ تب محمود اس کی دوسری ٹانگ بھی توڑ دیتا ہے۔ اب وہ آرام سے ایک جگہ بیٹھ سکتا ہے۔ ایک ٹانگ سے تو نہ چل سکتا تھا، نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اب وہ گوشہ میں بیٹھ کر ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلے گا۔

اب میاں حامد کا قصہ سنیے۔ امینہ اس کی آواز سنتے ہی دوڑی اور اسے گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگی۔ دفعتاً اس کے ہاتھ میں چمٹا دیکھ کر وہ چونک پڑی۔

''یہ دست پناہ کہاں تھا بیٹا۔''

''میں نے مول لیا ہے تین پیسے میں۔''

امینہ نے چھاتی پیٹ لی۔ ''یہ کیسا بے سمجھ لڑکا ہے کہ دوپہر ہوگئی نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ لایا کیا یہ دست پناہ۔ سارے میلے میں تجھے اور کوئی چیز ہی نہ ملی۔''

حامد نے خطاوارانہ انداز سے کہا ''تمھاری انگلیاں توے سے جل جاتی تھیں کہ نہیں۔''

امینہ کا غصہ فوراً شفقت میں تبدیل ہوگیا اور شفقت بھی وہ نہیں، جو پُر بیان ہوتی ہے اور اپنی تاثیر لفظوں میں منتشر کردیتی ہے۔ یہ بے زبان شفقت تھی، درد، التجا میں ڈوبی ہوئی۔ اُف! کتنی نفس کشی ہے۔ کتنی جاں سوزی ہے۔ غریب نے اپنے طفلانہ اشتیاق کو روکنے کے لیے کتنا ضبط کیا ہوگا۔ جب دوسرے لڑکے کھلونے لے رہے ہوں گے۔ مٹھائیاں کھا رہے ہوں گے۔ اس کا دل کتنا لہراتا ہوگا۔ اتنا ضبط اس سے ہوا کیونکر! اپنی بوڑھی اماں کی یاد اُسے وہاں بھی رہی۔ میرا لال میری کتنی فکر رکھتا ہے۔ اس کے دل میں ایک ایسا الوہی جذبہ پیدا ہوا کہ اس کے ہاتھ میں دنیا کی بادشاہت آجائے اور وہ اسے حامد کے اوپر نثار کردے اور تب ایک بڑی دلچسپ بات ہوئی۔ بڑھیا امینہ ننھی سی امینہ بن گئی۔ وہ رونے لگی دامن پھیلا کر حامد کو دعائیں دیتی جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو کی بڑی بڑی بوندیں گراتی جاتی تھی۔ حامد اس کا راز کیا سمجھتا اور نہ شاید ہمارے ناظرین ہی سمجھ سکیں گے۔ □

ماخذ: 'کلیات پریم چند'، مرتبہ: مدن گوپال، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

نظیر اکبر آبادی

جنم اشٹمی پر

کرشن کنھیا کا بال پن

کرشن جی کی شان میں یہ لاجواب نظم اردو کے باکمال شاعر نظیر اکبرابادی نے تقریباً دوسوسال پہلے کہی تھی اور آج بھی اسے ہندو بڑے ذوق وشوق سے گاتے ہیں۔ نانی کے صندوق سے ملنے والا یہ جنم اشٹمی کا تحفہ ہے جو اسی مہینے منائی جارہی ہے۔ اصل نظم کافی طویل ہے، یہاں تمھارے لیے کچھ بہت ہی خوب صورت بند چنے گئے ہیں۔ مدیر

یارو سنو یہ دودھ لٹیّا کا بال پن
اور بدھ پوری نگر کے بسیّا کا بال پن
موہن سروپ نرت کریّا کا بال پن
بن بن کے گوال گئوویں چریّا کا بال پن
ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بال پن
کیا کیا کہوں میں کرشن کنھیّا کا بال پن

یوں بال پن تو ہووے ہے ہر طفل کا بھلا
پر اُن کے بال پن میں تو کچھ اور ہی بھید تھا
اس بھید کی بھلا جی کسی کو خبر ہے کیا
کیا جانے اپنے کھیلنے آئے تھے کیا کلا

پردہ وہ بالپن کا نہ کرتے اگر ذرا
کیا تاب تھی جو کوئی نظر بھر کے دیکھتا
جھاڑ اور پہاڑ دیتے سبھی اپنا سر جھکا
پر کون جانتا تھا جو کچھ ان کا بھید تھا

اب گھٹنیوں کا ان کے میں چلنا بیاں کروں
یا میٹھی باتیں منھ سے نکلنا بیاں کروں
یا بالکوں کی طرح سے پلنا بیاں کروں
یا گودیوں میں ان کا اچھلنا بیاں کروں

تھی ان کی چال کی تو عجب یارو چال ڈھال
پاؤں میں گھنگرو باجتے سر پر جھنڈولے بال
چلتے ہمک ہمک کے جو وہ ڈگمگاتی چال
تھامیں کبھی جسودھا کبھی نند لیں سنبھال

تھے گھر جو گوالنوں کے لگے گھر میں جا بجا
جس گھر کو خالی دیکھا اسی گھر میں جا پھرا
ماکھن ملائی دودھ جو پایا سو کھا لیا
کچھ کھایا کچھ خراب کیا کچھ گرا دیا

گر چوری بیچ آگئی گوالن کوئی وہاں
اور اس نے آ پکڑ لیا تو اس سے بولے ہاں
میں تو ترے دہی کی اڑاتا تھا مکھیاں
کھاتا نہیں میں اس سے نکالے تھا چیونٹیاں

اک روز منھ میں کانھا نے ماکھن جھکا دیا
پوچھا جسودا نے تووہیں منھ چڑا دیا
منھ کھول تین لوک کا عالم دکھا دیا
اک آن میں دکھا دیا اور پھر بھلا دیا
ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بال پن
کیا کیا کہوں میں کرشن کنھیّا کا بال پن

□

مناظر عاشق ہرگانوی

بچپن کے دن

ہائے وہ بچپن کے دن
صاف اور سچے ستھرے دن
یاد بہت آتے ہیں اب
اپنے تھے جب اپنے دن
فکرو تردد کس کو کہتے
دور غموں سے جب تھے دن
آنکھ مچولی اور کبڈی
گلی ڈنڈے والے دن
راتیں راحت سے بھرپور
اور شرارت والے دن
پیچھے پیچھے تتلی کے
پھلواری میں بیتے دن
آم، امرود کے پیڑوں پر
ڈال پہ بیٹھے کھاتے دن
کاغذ، پنسل اور کتاب
ایسی دولت والے دن
جسم غبار آلودہ لے کر
تالابوں میں تیرتے دن
کوئی نہیں تھا دشمن جب
سب کو دوست بناتے دن
توڑ لیں اوروں کے امرود
سب کے ساتھ وہ کھاتے دن
کاٹ لیں کھیتوں سے گنّے
چوری پکڑے جاتے دن
شام پڑھائی میں گزرے
ہائے وہ مکتب جاتے دن
آہ مناظر کس سے کہیں
لوٹا دے وہ میرے دن

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، کوہسار بھیکن پورہ بھاگل پور۔812001 بہار

کہانی

عظیم اقبال

گوریّا کا انتقام

کسی زمانے کی بات ہے، ایک جنگل تھا۔ جنگل میں کسی برگد کے پیڑ پر ایک گوریا رہتی تھی۔ ڈال، ڈال پر پھدکتی، چوں، چوں کرتی۔ چندروز پہلے اس نے اپنے گھونسلے میں انڈے دیے تھے۔ ان انڈوں میں اس کی جان اٹکی ہوئی تھی، اور وہ ہر وقت ان کی حفاظت کے لیے فکر مند رہا کرتی تھی۔ اسے بے صبری سے انتظار تھا کہ کب ان انڈوں سے بچے نکلتے ہیں، اور کب اس کے بچّے اپنی پیاری آواز میں چوں چوں کرتے ہیں۔

ایک روز شام سے کچھ پہلے ایک جنگلی ہاتھی اس درخت کے نیچے آ نکلا۔ بدمست ہاتھیہاں وہاں جھومتا جھامتا اور توڑ پھوڑ کرتا گھوم رہا تھا۔ اس نے برگد کے پیڑ کی بھی ایک ٹہنی توڑ ڈالی جس سے سارا درخت ہل گیا۔ اسی شاخ پر گوریا کا گھونسلہ تھا جس میں اس نے انڈے دے رکھے تھے۔ ہاتھی کے اس پاگل پن سے گوریا کے سارے انڈے گرے اور چکنا چور ہوگئے۔ گوریا کی جان تو بچ گئی تھی لیکن انڈوں کے ٹوٹنے پر وہ رنج سے بھر گئی اور زور زور سے چوں چوں کر کے رونے لگی۔ اسے اپنے بچوں کی چوں، چوں نہ سن پانے کا بڑا غم تھا اور وہ اس غم سے نڈھال تھی۔

گوریّا کو اپنے انڈوں کی حفاظت کی بہت فکر تھی

ایک ہدہد نے جو گوریا کا دوست تھا اس کا رونا سنا اور اپنے پر پھڑپھڑاتا ہوا تیزی سے اس کے پاس چلا آیا۔ اس نے پوچھا۔

"پیاری گوریا کیوں رو رہی ہو؟ کون سی آفت آن پڑی ہے؟"

گوریا بولی: "بھیّا کیا بتاؤں۔ ظالم ہاتھی نے میرے سبھی جگر کے ٹکڑے مار ڈالے ہیں۔ اگر واقعی تم میرے سچے دوست ہو تو بتاؤ کہ ہاتھی سے کس طرح اس کا بدلہ لوں۔"

ہد ہدنے مکھی کا بھی ساتھ لینے کا مشورہ دیا

ہدہد نے گوریا کو تسلی دی اور کہا کہ اس کی ایک مکھی سے جان پہچان ہے۔ "مکھی بڑی عقل مند ہے اور ہاتھی کو سبق سکھانے میں ضرور تمہاری مدد کرے گی۔ مجھے اس کی عقل مندی پر پورا بھروسہ ہے۔ وہی کوئی صورت نکالے گی۔" ہدہد نے کہا۔

دونوں مکھی کی مدد پانے کی غرض سے اس کے پاس گئے۔ مکھی نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور عزت سے بٹھا کر ان کا حال چال پوچھا۔

ہدہد نے بتایا: "ایک جنگلی ہاتھی نے میری دوست گوریا کے انڈے چکنا چور کر دیئے ہیں۔ اسے طاقت کا نشہ چڑھ گیا ہے۔ اب اسے مزہ چکھانے کے لئے تمہاری مدد چاہئے۔ اسے مار کر ہی ہمارے غصے کی آگ بجھے گی۔"

ہاتھی پر پاگل پن سوار تھا اور ہر طرف توڑ پھوڑ کرتا پھر رہا تھا

مکھی نے جواباً کہا: ''میرا ایک دوست مینڈک ہے۔ چلو، اس کے پاس چلتے ہیں اور اس کی مدد بھی لیتے ہیں۔ اس کی مدد سے ہمارا کام آسان ہوجائے گا۔''

وہ سب مینڈک کے پاس گئے اور اسے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ان کی باتیں سن کر مینڈک کی سمجھ میں آ گیا کہ بدمست ہاتھی نے گوریّا کے انڈے توڑ دیے ہیں۔ ہدہد گوریّا کا دوست ہے۔ مکھی ہدہد کی دوست ہے۔ اور ان سب کو ہاتھی سے انتقام لینا ہے۔

مینڈک بولا: ''اگر ہم سب مل جائیں تو ہاتھی ہمارے سامنے کہاں تک سکتا ہے۔ ہم اسے ڈھول چٹادیں گے۔'' سب نے مینڈک کی بات سے اتفاق کیا۔ اب مینڈک نے کہا: ''ٹھیک ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ جیسا میں کہتا ہوں، ویسا ہی کرو۔

مکھی نے گوریّا اور ہدہد کا پورا ساتھ دیا

پیاری مکھی تم ہاتھی کے پاس جاؤ۔ اس کے کان میں ایک دلکش نغمہ گنگناؤ۔ جب وہ گانے سے مست ہوکر ترنگ میں آجائے تو ہدہد اس کی آنکھیں اپنی چونچ سے بے کار کردے گا۔ اس طرح اسے دکھائی دینا بند ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب اسے پیاس لگے گی اور اسے پانی کی تلاش ہوگی تو میں ایک دلدل کے قریب جا کر ٹرّانا شروع کردوں گا۔ ہاتھی میری آواز سن کر سمجھے گا کہ وہاں پانی ہے۔ بس پھر جیسے ہی دلدل میں پاؤں رکھے گا وہ اس میں دھنستا چلا جائے گا۔ یوں اس کا کام تمام ہو جائے گا اور جنگل کو اس کی شرارتوں اور ظلم سے نجات مل جائے گی۔''

اگلے دن دوپہر کو ان سب نے اسی منصوبے پر عمل کیا۔ مکھی نے گیت گایا۔ ہدہد نے اس کی آنکھیں بے کار کردیں۔ چیختا چلاّتا ہاتھی وہاں سے بھاگ گیا اور شام کو جب اسے پیاس لگی تو مینڈک ایک دلدل کے کنارے بیٹھ کر ٹرٹر کرنے لگا۔ ہاتھی وہاں آیا اور دلدل میں پھنس کر رہ گیا۔

مینڈک نے گوریّا ہدہد اور مکھی کو پورا پلان سمجھایا

یوں سارے جانوروں کی ہوشیاری سے جنگل والوں کو ہاتھی کے ظلم اور پاگل پن سے چھٹکارا مل گیا اور گوریّا بھی خوش ہوگئی۔

سب نے مل کر خوشی منائی۔ مینڈک ٹرّایا۔ مکھی بھنبھنائی۔ ہدہد اور گوریّا نے سر میں سر ملا کر گیت گائے۔

گوریّا نے طے کرلیا کہ اب وہ برگد کی دوسری شاخ پر گھونسلہ بنائے گی۔ انڈے دے گی۔ اور ایک دن اپنے بچّوں کی چوں چوں سنے گی۔ گھونسلے کے لئے پہلا تنکا چننے سے پہلے اس نے اپنے سب ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا اور یوں اپنا غم بھول گئی۔

♦ عظیم اقبال ادبستان، گنج نمبر 1۔ بیتیا، بہار۔ 8454221

کہانی

□ علی عباس امید

لاپروائی

ایک کسان کو اکثر اپنے کام کے سلسلہ میں گاؤں سے شہر تک جانا ہوتا تھا۔ یہ پورا سفر کبھی وہ پیدل طے کرتا تھا اور کبھی بیل گاڑی سے۔ دونوں ہی طرح اس کو وقت بھی بہت زیادہ لگتا تھا اور تھکاوٹ بھی زیادہ ہوتی تھی۔ اس کا برا اثر اس کے دوسرے کاموں پر بھی پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ زیادہ تر پریشان ہی رہتا تھا۔ اس نے اپنے ایک دوست کو جب یہ پریشانی بتائی تو اس نے مشورہ دیا کہ اگر وہ ایک گھوڑا خرید لے تو اس کی پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔ کیونکہ وقت بچے گا، تھکاوٹ نہیں ہوگی اور دوسرے کام کرنے میں بھی کسی طرح کی دشواری کا احساس نہیں ہوگا۔ کسان کو دوست کی صلاح پسند آئی۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ جلد ہی وہ گھوڑا خرید لے گا۔

کسان شہر کے بازار میں کسی کام سے آیا ہوا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بہت ہی تندرست گھوڑا بیچ رہا ہے۔ اس نے گھوڑا بیچنے

والے سے بات کی۔ جب قیمت طے ہوگئی تو اس نے رقم دے کر گھوڑا خرید لیا۔ گھوڑے والے نے اس سے کہا کہ اگر اس نے گھوڑے کو اچھی خوراک دی اور اس کے پیروں کی نعل کو کس کر رکھا تو وہ بہت دنوں تک اس کے خوب کام آئے گا۔

گھوڑے نے کسان کا سفر بہت آسان کر دیا۔ وہ شہر جا کر اپنے کام کرتا اور پھر جلد ہی واپس آ جاتا۔ اب وہ بہت ہی خوش رہنے لگا تھا۔ اس نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا جس نے اس کو یہ مفید مشورہ دیا تھا۔

ایک دن وہ گھوڑے پر بیٹھا شہر کو جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ گھوڑے کے ایک کھر کی نعل ڈھیلی ہوگئی ہے لیکن اس نے لاپروائی برتی اور اس کو ٹھیک نہیں کرایا۔ حالانکہ گھوڑے کی چال

دھیمی ہوگئی تھی۔ اس نے سوچا کہ گھوڑا ابھی چل رہا ہے پھر کبھی کرالوں گا۔ شہر میں سامان بیچ کر وہ واپس ہو رہا تھا کہ دوسرے کھر کی نعل بھی ڈھیلی ہو کر نکل گئی اور گھوڑے کی چال بالکل ہی سست ہوگئی۔ اتنے میں دو ڈاکوؤں نے کسان کو گھیر لیا اور پوری رقم لوٹ لی اور اسے مارا بھی۔

کسان پچھتانے لگا کہ اگر اس نے وقت پر گھوڑے کی نعل کی مرمت کرالی ہوتی تو وہ تیزی سے گھوڑے کو بھگا کر اپنی جان اور مال دونوں کی حفاظت کرسکتا تھا۔ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ کام کو ٹالنے سے کتنا نقصان ہوتا ہے! مگر کاش یہ اس نے پہلے سمجھ لیا ہوتا۔ □

◆ ڈاکٹر عباس امید، ڈاکٹرس کالونی، عیدگاہ، بھوپال۔ 462001 (ایم پی)

کیڑوں کی دنیا

شمس الاسلام فاروقی

انوکھے شکاری

خوبصورت پروں والی بھنبھیری صبح کی ہلکی دھوپ میں نہر کے کنارے بہت تیزی سے چکر لگا رہی تھی۔ اس کا اصلی نام تھا پینٹالا Pantala۔ وہ بالکل کسی ہیلی کاپٹر کی طرح دائیں بائیں اور اوپر نیچے اڑ رہی تھی۔ اس وقت اس کا اڑنا بلاوجہ نہیں تھا۔ اس نے نیچے کی طرف لٹکے ہوئے اپنے پیروں کو جوڑ کر ایک ٹوکری بنا رکھی تھی جس میں وہ مچھروں اور دوسرے چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو پکڑ پکڑ کر رکھ رہی تھی۔ یہ کیڑے اس کے صبح کا ناشتہ تھے جنھیں وہ ساتھ ساتھ اپنے مضبوط دانتوں سے چیر پھاڑ کر کھاتی بھی جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب ذرا پیٹ بھر گیا تو اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ شاید کوئی جان پہچان والا مل جائے۔ نہر کے قریب ہی سرسوں کا کھیت تھا جو پیلے پیلے پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ وہاں ایک پودے پر اسے بٹن جیسی گول مٹول کاکسی نیلا دکھائی دی۔ پینٹالا نے تیزی سے اپنا رخ بدلا اور اس کے پاس پہنچ گئی۔

''بی کاکسی نیلا Coccinella سلام! کیا حال ہیں تمہارے'' اس نے پوچھا'' کہو ٹھیک تو ہو۔ یہ صبح ہی صبح بھلا سرسوں کے کھیت میں کیا کرتی پھر رہی ہو؟''

کاکسی نیلا نے سر اٹھا کر پینٹالا دیکھا۔ اس نے اپنے ڈھکن جیسے نارنجی رنگ اور کالے دھبے والے اگلے پروں کو اوپر اٹھایا، اس کے نیچے چھپے ہوئے بڑے اڑنے والے پروں کو باہر نکالا، ایک جست بھری اور پینٹالا کے تھوڑا قریب ہوتے ہوئے بولی:

''شکریہ! پینٹالا' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم اپنی سناؤ کیسی ہو۔ اس وقت تو تمہارا پیٹ پھولا ہوا نظر آ رہا ہے۔ شاید ناشتہ کر کے آ رہی ہو۔ دراصل میں بھی اسی تلاش میں ادھر آئی ہوں۔''

''تم ٹھیک سمجھیں۔ واقعی میں پیٹ پوجا کر چکی ہوں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہارے ناشتے کا سامان آخر ہے کہاں۔''

''ارے اتنی بڑی بڑی تو آنکھیں ہیں تمہاری پھر بھی تمہیں سرسوں کے پودوں سے چمٹے یہ گول مٹول رسیلے بھنگے نظر نہیں آتے۔ چاہو تو دو چار منہ تم بھی اور مار سکتی ہو۔''

پینٹالا

پینٹالا نے غور سے دیکھا، سچ مچ وہاں تو ہر شاخ اور پتے پر بے شمار بھنگے چمٹے ہوئے تھے۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ جم کر بیٹھے تھے۔ ان کی سرنج جیسی سونڈیں سرسوں کی ٹہنیوں اور پتوں کے اندر گھسی ہوئی تھیں جن کی مدد سے وہ ان کا رس پی رہے تھے۔ اسی لئے ان کے بدن میں حرکت بالکل نہیں تھی۔ ساتھ ہی ان کا

رنگ بھی پودوں کی طرح ہرا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ پینٹالا انھیں پہلی نظر میں نہیں دیکھ پائی۔ اس وقت کیونکہ پینٹالا کا پیٹ بالکل بھرا ہوا تھا اس لئے اس نے کاکسی نیلا کی دعوت کو ٹالتے ہوئے کہا:

"نہیں بھئی مجھے اس طرح ایک جگہ بیٹھ کر کھانا پسند نہیں۔ اڑتے اڑتے شکار کرنے کی بات ہی کچھ اور ہے۔ پر تو تمہارے پاس بھی ہیں تو پھر کیوں نا تم میرے ساتھ چلو اور اڑتے ہوئے شکار کرنے کا مزا لوٹو۔"

کاکسی نیلا

"نہیں پینٹالا شکریہ! مجھے تمہاری طرح تیز اڑنا نہیں آتا۔ میرے اگلے پَر تو بہت موٹے ہیں جن سے اڑنا ممکن نہیں ہاں البتہ پچھلے پَر اڑنے میں کام آتے ہیں مگر وہ بھی بس چھوٹی موٹی اڑان ہی کے لائق ہیں۔ اس کے علاوہ میں اپنے بچوں کو بھی یوں اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتی۔ ان بے چاروں کے پَر تو ہیں ہی نہیں اور جسم بھی گنڈار کی طرح بھاری بھرکم ہے۔ وہ اسے اپنے پتلے پتلے چھ پیروں کی مدد سے بہت مشکل سے گھسیٹ پاتے ہیں یہاں اس کھیت میں بھنگوں کی بہتات ہے اس لئے ان کا پیٹ آسانی سے بھر جاتا ہے ہاں مگر یہ تو بتاؤ کہ تم اپنے بچوں کو کہاں چھوڑ کر آتی ہو؟"

"مجھے ان کی زیادہ فکر نہیں ہے۔ وہ بڑے مزے سے ہیں۔ یہ سامنے نہر دیکھ رہی ہو۔ وہ اسی میں تیرتے پھرتے ہیں۔ کھانے کے لئے بھی انھیں زیادہ پریشان نہیں ہونا پڑتا۔ چھوٹے موٹے کیڑے مکوڑے خود ہی تیرتے ہوئے ان کے پاس آجاتے ہیں جنھیں وہ اپنی لمبی زبانوں کی مدد سے اپنے منہ کے اندر کھینچ لیتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ان کی دیکھ بھال کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟"

واقعی کہتی تو یہ ٹھیک ہی ہے۔ کاکسی نیلا نے سوچا۔ اسی بیچ کاکسی نیلا کی کوئی دوسری بہن اڑتی ہوئی آئی لیکن وہ سرسوں کے کھیت کی طرف آنے کے بجائے برابر میں لگی ہوئی تری کی بیلوں پر جا بیٹھی۔ پینٹالا نے ذرا حیرت سے دیکھا اور کہا:

"کیوں بھئی کاکسی نیلا یہ تمہاری بہن بھلا تری کے کھیت میں کیا کرنے گئی ہے؟"

"اوہ! تم نے غلط سمجھا۔ وہ میری بہن نہیں ہے۔ وہ تو اپی لیکنا Epilachna ہے۔ اصل میں اس کی شکل مجھ سے ملتی جلتی ہے۔ اسی لئے شاید تمہیں دھوکہ ہوگیا۔ تم نے غور سے نہیں دیکھا۔ اس کے اگلے پروں کا رنگ پیلا ہے اور ان پر بڑے دھبے بھی الگ طرح کے ہیں۔ یہ اپی لیکنا اپنے آپ کو بڑا سادھو سنت سمجھتی ہے۔ اسے شکار کرنا بالکل پسند نہیں۔ اس کی نظر میں ہمارے جیسے کیڑے تو ظالم ہیں جو دوسروں کی ہتیا کرتے ہیں۔ وہ اور

ایمو فائیلا

اس کے بچے تو ترئی اور دوسری ترکاریوں کے پتوں پر گزر بسر کرتے ہیں۔''

''بہت خوب! تو کیا وہ بے وقوف یہ سمجھتی ہے کہ ترئی کے پودے بے جان ہیں۔ ارے بھئی ان میں بھی تو جان ہے اور انھیں بھی تکلیف ہوتی ہے وہ جب پتوں کا کاٹ کاٹ کر چبائے گی تو کیا ترئی کا پودا زندگی بھر درد سے کراہتا نہیں رہے گا؟'' پینٹالا نے کہا۔

وہ دونوں ابھی یہ باتیں کر رہی تھیں کہ انھوں نے کالی بھجنگ پتلی کمر والی ایموفائیلا Amophyla کو تیزی سے اپنے طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے ابھی ابھی اس پھول گوبھی کے کھیت سے اڑان بھری تھی جو ترئی کی بیلوں کے بالکل برابر تھا۔ اس وقت اس کے پیروں کے بیچ میں ایک موٹا تازہ لاروا دبا ہوا تھا۔ اسے پاس آتے دیکھ کر کاکسی نیلا بولی:

''کہو بھئی ایموفائیلا یہ کس پر ہاتھ صاف کر دیا؟''

''یہ کسی تتلی کا لاروا ہے جو گوبھی کے پتوں میں چھپا بیٹھا تھا اور اس کے نرم نرم پتوں کو بڑی بے دردی سے چبا رہا تھا۔ کمبخت پکڑ ہی میں نہ آتا تھا۔ مجبور ہو کر میں نے اپنا ڈنک چبھویا تب کہیں جا کر بے ہوش ہوا ہے۔''

''مگر بھئی یہ تم اتنے بڑے لاروے کو آخر اٹھائے کہاں لئے جا رہی ہو؟ اتنی تکلیف اٹھانے سے بھلا کیا فائدہ۔ بہتر ہے اسے کھا پی کر یہیں ختم کر ڈالو۔'' پینٹالا نے کہا۔

''اوہ! تم نہیں جانتی، یہ میرے کھانے کی چیز نہیں ہے۔ اس عمر میں میرے لئے بس پھولوں کا رس اور زیرہ ہی کافی ہے۔ اسے تو میں اپنے بچوں کے لئے لے جا رہی ہوں۔''

''تمہارے بچے! مگر بھلا وہ ہیں کہاں؟'' کاکسی نیلا نے پوچھا۔

''وہ ابھی اس دنیا میں آئے ہی کہاں ہیں جوان کے بارے میں تمہیں بتاؤں۔ ابھی تو میں نے ادھر ایک مکان کے کونے میں مٹی سے صرف ایک گھر بنایا ہے۔ اس کے ایک خانے میں یہ لاروا رکھ کر اس پر انڈا دوں گی اور اسے بند کر دوں گی۔ جب چند روز بعد اس میں سے میرا لاروا نکلے گا تب وہ اس لاروے کو کھائے گا۔'' ایموفائیلا نے سمجھایا۔

یہ سن کر پینٹالا نے کاکسی نیلا کی طرف دیکھا اور کہا:

''واہ! یہ ہوئی نا بات۔ جو بچہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوا اس کے لئے اتنا پکا انتظام۔'' ایموفائیلا نے جاتے جاتے یہ بات سنی تو بولی:

''ذرا غور سے ان سرسوں کے بھنگوں کو دیکھو۔ ان کے بیچ میں تمہیں میری ایک ننھی منی سی رشتہ دار ٹہلتی نظر آئے گی۔ اس

ایپی لیکنا

کا نام ہے ٹرائی آکسس۔ اس کا انتظام دیکھو گی تو اور بھی حیران ہوگی۔"

کاکسی نیلا اسے شاید پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔ اس نے ایک پتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"وہ دیکھو ٹرائی آکسس صاحبہ اس موٹے تازے بھنگے کی پیٹھ پر سوار ہیں۔"

پینٹالا نے ذرا اور نیچے ہوکر دیکھا۔ ٹرائی آکسس ایک چھوٹی چیونٹی کے برابر تھی جس کے چار چھوٹے چھوٹے باریک پَر تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹرائی آکسس نے اپنی دم کے پاس سے ایک ننھا سا ڈنک باہر نکالا اور اسے بھنگے کے جسم میں داخل کردیا۔ یہ دیکھ کر پینٹالا بولی:

"ارے چھٹکی ٹرائی آکسس یہ کیا حرکت ہورہی ہے؟"

ننھی ٹرائی آکسس نے گردن گھما کر پینٹالا کو دیکھا، اپنی خوبصورت مونچھیں اوپر اٹھائیں اور بولی:

"میں اس موٹو کے پیٹ میں انڈا دے رہی ہوں۔ اس سے پہلے بھی کئی دوسروں بھنگوں کے پیٹ میں اسی طرح انڈے دے چکی ہوں۔ ان انڈوں سے جب میرے لاروے نکلیں گے تو وہ اندر ہی اندر ان بھنگوں کو کھائیں گے۔ آخر میں بھنگے مرجائیں گے اور ان کے سوکھے ہوئے کالے رنگ کے خول باقی رہ جائیں گے۔ جب میرے بچے بڑے ہوکر میری شکل کے ہوجائیں گے تو وہ اس خول کو کاٹ کر باہر نکل آئیں گے۔"

ٹرائی کو گریما

"سچ تم تو بڑی کمال کی ہو۔ اتنی چھوٹی اور اس قدر سوجھ بوجھ۔" پینٹالا نے کہا۔

"ہمارے یہاں تو یہ سوجھ بوجھ بہت عام ہے۔ ذرا کاکسی نیلا سے پوچھو۔ وہ میری ایک رشتہ دار کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ اس کا نام ہے ٹرائی کو گریما Trichogramma ۔ اس کا قد مجھ سے بھی بہت چھوٹا ہے۔ بس ہوگا کوئی مجھ سے ایک چوتھائی۔ وہ اپنا انڈا کاکسی نیلا کے انڈے کے اندر ہی دے دیتی ہے اور کچھ دن بعد اس میں سے کاکسی نیلا نہیں بلکہ ٹرائی کو گریما باہر نکلتی ہے۔ کہو ہے نا زیادہ سمجھداری کی بات۔"

"لگتا ہے تم جیسے کیڑوں کی عقل ان کے قد کے ساتھ جڑی ہے۔ جتنا چھوٹا قد اتنی ہی بڑی عقل۔"

پینٹالا نے کہا اور تیزی سے مڑکر اونچے سرکنڈوں کی طرف چل دی جو نہر کے کنارے کنارے اگے ہوئے تھے۔

بھرے پیٹ پر اب اسے آرام کی ضرورت تھی۔ وہ وہاں پہنچ کر ایک لمبی پتی پر بیٹھ گئی اور ہوا کے ساتھ ہچکولے لینے لگی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچتی جاتی تھی کہ قدرت کتنی ہوشیار ہے۔ اس نے ہم کیڑوں کو بھی اپنا کھانا حاصل کرنے اور نسلیں بڑھانے کے کیسے انوکھے طریقے سکھائے ہیں۔ □

♦ ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی B/1-90 نور نگر نئی دہلی ۔110025

نظم

وکیل نجیب

پتنگ

اڑ رہی ہے بلندیوں پہ پتنگ
اور کتنے بدل رہی ہے رنگ
کبھی اوپر ہے اور کبھی نیچے
ہے بہت ہی عجیب اس کا ڈھنگ
وہ کبھی میرے ساتھ ہوتی ہے
اور کبھی چھوڑتی ہے میرا سنگ
چھوڑ کر جب وہ مجھ کو جاتی ہے
میں بھی آجاتا ہوں پھر اس سے تنگ
دیکھ کر اپنے جیسی کوئی اور
کرنے لگتی ہے جا کے اس سے جنگ
وہ بلندی پہ جا پہنچتی ہے
اس کے من میں کبھی جو آئے ترنگ
سب میں اس کی شناخت مشکل ہے
شکل ان کی ہے اتنی رنگ برنگ
جھالروں سے اگر ہو کوئی سجی
یوں لگے جیسے وہ ہے کوئی ملنگ
اور اگر کالے کاغذوں سے بنے
تب وہ لگتی ہے مجھ کو کوئی بھجنگ

تتلی

تتلی تیرے کتنے رنگ
کھیل تو آ کر میرے سنگ
کیسے تازہ تیرے رنگ
دیکھ کے میں رہ جاؤں دنگ
مخمل جیسے تیرے پر
ہیرے جیسا تیرا سر
تو پھولوں کی متوالی
پھرتی ہے ڈالی ڈالی
باغوں کی تو دیوانی
خوشبو کی تو مستانی
پھول نظر آجائے جہاں
پہنچے تو فوراً ہی وہاں
پنکھ پہ رنگوں کا انبار
کون انھیں کرپائے شمار
رنگوں کی یہ کاریگری
کس نے تیرے پنکھ پہ کی
مجھ کو بتا دے اس کا نام
پھر مجھ سے لینا انعام

وکیل نجیب، نجیب منزل، نزولا اسکول، مومن پورہ ناگپور۔18

سمندر کی شہزادی
جاپانی کہانی
کارٹونسٹ: سید واجد علی شاہ
یروشما ایک خوب صورت اور رحم دل لڑکا تھا اور جاپان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔ گاؤں سمندر کے کنارے تھا جس میں مچھلیاں پکڑ کر وہ اپنا گزارا کرتا تھا۔ ایک دن مچھلیاں بیچ گھر جا رہا تھا تو اس نے کچھ لڑکوں کو دیکھا جو ایک کچھوے کو اینٹ پتھر مار رہے تھے۔ یروشما کو برا لگا اور اس نے لڑکوں سے کہا
ارے! اس بے زبان کو کیوں پریشان کر رہے ہو؟
اس کچھوے کو میرے ہاتھ بیچ دو
اس نے کچھوا خرید لیا
جب لڑکے چلے گئے تو وہ کچھوے سے بولا
چلو تمھیں پانی میں چھوڑ دیا جائے۔ مگر دیکھو ان شریر لڑکوں کے ہاتھ نہ پڑ جانا
اس نے کچھوے کو سمندر میں چھوڑ دیا
اس دن یروشما بھوکا سویا کیوں کہ جو کچھ پیسے اس کے پاس تھے وہ ان لڑکوں کو کچھوے کے بدلے دے چکا تھا۔ مگر اس پر بھی وہ خوش تھا۔ دوسرے دن جب وہ سمندر گیا اور مچھلیاں پکڑنے لگا تو اچانک اسے ایک آواز سنائی دی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔ آواز پھر آئی۔ اس نے پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ سامنے وہی کچھوا تھا۔
اے رحم دل انسان! کل تم نے میری جان بچائی تھی، اس کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔ کیا تم سمندر کی سیر کرنا چاہو گے
...ہمارے بادشاہ کا محل دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے
یروشما دل میں بہت خوش ہوا اور فوراً تیار ہو گیا

کچھوے نے اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور سمندر میں اتر گیا۔ شاہی محل آتے ہی یروشما اتر پڑا۔ وہاں ایک مچھلی کھڑی تھی۔ اس نے سلام کیا
یہ جاپان کے عظیم آدمی ہیں، انھیں اندر لے جاؤ
جیسا آپ کا حکم
مچھلی شاہی محل میں لے گئی
یہ پاتال نگری تھی جس کی دیواریں ہرے نیلے پتھروں کی تھیں۔ وہیں باغ میں اسے حسین شہزادی ملی جس نے بتایا کہ کچھوے کی شکل میں دراصل وہ خود تھی
میں پاتال دیس کی شہزادی ہوں۔ آپ نے مجھے بچالیا۔ کیسے آپ کا شکریہ ادا کروں۔
شہزادی یروشما کو اپنے والد کے پاس لے گئی جو وہاں کے بادشاہ تھے
وہ اس سے مل کر خوش ہوئے، اسے بہت عزت دی اور اس خوشی میں شہزادی کی شادی یروشما سے کردی۔ دونوں آرام سے زندگی گزارنے لگے۔ کچھ دن بعد یروشما کو اپنے ماں باپ کی یاد ستانے لگی۔ اس نے جانے کی ضد کی تو شہزادی اسے سمندر کنارے تک چھوڑ آئی۔ واپسی پر اس نے یروشما کو سونے کی ایک ڈبیہ دے کر کہا
اسے اپنے پاس رکھو، یہ تمھاری حفاظت کرے گی لیکن اسے کبھی کھولنا مت۔ کھولی تو مجھ سے کبھی نہ مل سکو گے
یروشما اپنے گاؤں آگیا۔ گاؤں بہت بدل چکا تھا۔ جہاں اس کی جھونپڑی تھی وہاں ایک بنگلہ بنا ہوا تھا۔ یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا یروشما کی جھونپڑی کہاں ہے؟ وہ اسے حیرانی سے دیکھنے لگا
یروشما تو میں نے سنا ہے کشتی سمیت کہیں غائب ہو گیا تھا، اور یہ بہت پہلے کی بات ہے...
...اس کی کہانی ہمارے استاد سناتے ہیں۔ اور اس واقع کو سو سال ہو چکے ہیں۔
کیا بات کرتے ہو، میں ہی یروشما ہوں گھر چھوڑے چند سال ہوئے ہیں۔
یروشما کی باتوں پر اسے بالکل یقین نہیں آیا اور وہ اسے کوئی بھوت سمجھ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا
یروشما کو جان پہچان کا کوئی آدمی نہ مل سکا۔ ماں باپ کبھی کے مر چکے تھے۔ دوست احباب بھی نہ تھے۔ وہ بہت دکھی ہوا۔ شہزادی کے پاس لوٹ کر جانے کو بھی جی نہ چاہا۔ اسی غم میں اس نے ڈبیہ کھول لی۔ اس میں سے فوراً دھواں نکلنے لگا اور جیسے دھواں یروشما تک آیا وہ یکا یک بوڑھا ہو گیا۔
وہ سمندر کے کنارے اداس بیٹھ گیا۔ سمندر کی ایک تیز لہر آئی اور وہ اسی لہر کے ساتھ غائب ہو گیا

عقل اور قسمت

آسٹریائی کہانی

کارٹونسٹ: سید واجد علی شاہ

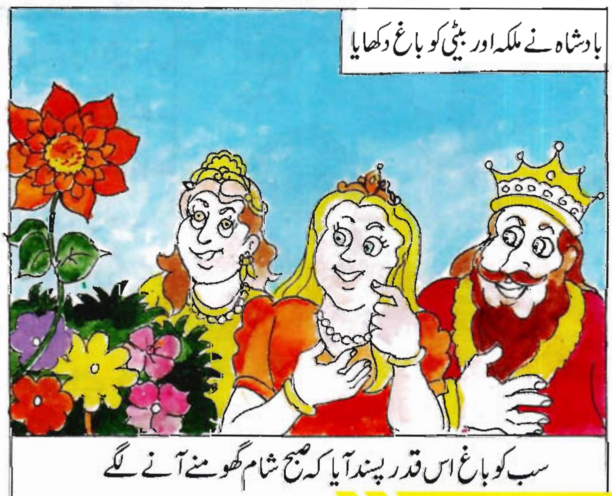

اعلان سن کر خوب صورت اور عقل مند شہزادے اور نام ور سپہ سالار بادشاہ کے دربار میں آئے مگر کوئی کامیاب نہیں ہو سکا۔
اب کیا کروں؟ ساری کوششیں بے کار گئیں ایسا نہ ہو یہ عمر بھر ایسی ہی رہے
بادشاہ بہت فکر مند رہنے لگا
ایک دن دینک نے سوچا
کیوں نہ میں بھی کوشش کر کے دیکھوں۔ کیا پتہ شہزادی میرے سوال پر بول پڑے
یہ سوچ کر وہ درباریوں کے پاس گیا اور ان کے ذریعے اپنی بات بادشاہ سلامت تک پہنچا دی
بادشاہ نے فوراً دینک کو بلا لیا اور اسے لے کر شہزادی کے کمرے میں پہنچے۔ شہزادی کا ایک چھوٹا سا کتا تھا جو اس کا معمولی اشارہ بھی سمجھ لیتا تھا۔ جب دینک داخل ہوا تو اس نے یوں ظاہر کیا جیسے شہزادے کو دیکھا ہی نہیں ہے اور فوراً کتے سے بولا
میں نے سنا ہے تم بہت ہوشیار کتے ہو۔ میں تم سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں
...سنو، ایک سفر میں ہم تین ساتھی تھے ایک بت تراش، دوسرا درزی، اور تیسرا میں ایک جنگل میں پہنچے تو رات ہو گئی اور وہیں رات گزارنے کا فیصلہ کیا
جنگل بہت گھنا تھا اور ہر طرف سے جانوروں کے آجانے کا خوف تھا
ہم نے وہاں آگ روشن کی...
اور طے کیا کہ رات بھر ایک نہ ایک کو جاگتے رہنا چاہیے

سب سے پہلے بت تراش بولا
پہلے میں جاگوں گا
تھوڑی دیر میں باقی دونوں سو گئے
بت تراش جب جاگتے جاگتے اونگھنے لگا تو اس نے درخت سے موٹی سی شاخ کاٹ کر نوجوان لڑکی کا مجسمہ تراشنا شروع کر دیا۔ مجسمہ بہت خوب صورت تھا اور معلوم ہوتا تھا لڑکی ابھی بول پڑے گی۔
اپنا کام ختم کر کے اس نے درزی کو جگا دیا۔
...درزی کی نظر جب مجسمے پر پڑی تو اس نے سوچا
اگر بت تراش یہ بنا سکتا ہے تو میں اس کو کپڑے پہنا سکتا ہوں
چنانچہ اس نے کپڑے سینے شروع کر دیے۔ آخر اس نے پورا لباس سی لیا
اور مجسمے کو پہنا دیا
بس اب بولنے کی کمی ہے
درزی نے اپنا کام ختم کر لیا تو اس نے مجھے آواز دی
میں نے مجسمہ دیکھا اور سچ مچ حیران رہ گیا میری سمجھ میں کوئی بات نہ آئی تو درزی سے دریافت کیا
میاں یہ کیسا مجسمہ ہے اور یہاں کس طرح آیا؟
بت تراش نے وقت گزارنے کے لیے لڑکی کا مجسمہ بنا دیا اور جب مجھے جگایا تو وقت کاٹنے کے لیے میں نے اسے کپڑے سی کر پہنا دیے

اب یہ بالکل تیار ہے بس بولنے کی دیر ہے
...اگرتم وقت گزارنا چاہتے ہو تو اسے بولنا سکھانے کی کوشش کرنا
یہ کہہ کر درزی لیٹ گیا اور سو گیا
میں سوچتا رہا اور آخر کار میں نے اس مجسمے کو بولنا سکھا دیا اب وہ ایک حسین زندہ گڑیا میں بدل گئی
صبح کو میرے باقی ساتھی اٹھے تو اس پر اپنا اپنا حق جتانے لگے
مجسمہ ساز بولا: میں نے اسے بنایا
درزی بولا: مگر اسے لباس تو میں نے ہی دیا
دونوں لڑنے لگے...
اب تم فیصلہ کرو لڑکی پر کس کا حق ہے؟
کتا تو کیا جواب دیتا، شہزادی فوراً بول اٹھی
لڑکی تمھاری ہے! بت تراش نے بے جان مجسمہ بنایا درزی نے اسے لباس پہنایا لیکن بولنا سکھا کر جان تم نے ڈالی اس لیے لڑکی تمھاری ہوئی!
یا خدا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے!
قسمت سوچتی رہ گئی

ادارہ

اگست کا مہینہ
واقعات کے آئینے میں

اگست، شمسی کلینڈر کا آٹھواں مہینہ ہے لیکن حضرت عیسیٰ سے 753 سال پہلے، جسے قبل مسیح کا زمانہ کہتے ہیں، جب شاہ رومولس کے دور کے اصلی دس مہینوں والے رومن کلینڈر کا رواج تھا تب یہ سال کا چھٹا مہینہ ہوا کرتا تھا جب کہ مارچ پہلا مہینہ ہوتا تھا۔ سن 700 قبل مسیح میں سال میں جنوری اور فروری کا اضافہ کردیا گیا۔ پہلے اگست کا نام سیکسٹلس Sextilis تھا جس کا مطلب اطالوی یعنی اٹلی کی زبان میں چھٹا ہوتا ہے۔ لیکن روم کے بادشاہ آگستس کے نام پر اس کا نام اگست رکھ دیا گیا۔ نئے کلینڈر کے مطابق 19 اگست سن 14 کو آگستس کا انتقال ہوا۔ روایت ہے کہ جولیس سیزر کے نام پر رواج پانے والے جولائی کے 31 دنوں کی طرح آگستس نے اپنے نام والے اس مہینے کو بھی 31 دنوں کا مہینہ بنا دیا تھا تاکہ اگست جولائی سے کم نہ رہے۔ لیکن بعد کی تحقیق سے یہ روایت غلط نکلی کیونکہ اس سے پہلے Sextilis کے اتنے ہی دن ہوا کرتے تھے۔

آگستس

یوں تو یہ مہینہ انسانی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات اور اہم لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن کا اس دنیا پر بہت گہرا اثر پڑا۔ لیکن بیسویں صدی پر نظر ڈالی جائے تو یہ مہینہ جنگوں کا مہینہ ثابت ہوا اور دنیا میں اب تک لڑی گئی دو بڑی جنگوں، پہلی عالمی جنگ اور دوسری عالمی جنگ نے اسی مہینے زیادہ زور پکڑا، جس کا کچھ اندازہ آپ کو آگے تفصیلات پڑھ کر ہوگا۔ انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ لوگوں کے مارے جانے کے دو دن اسی مہینے میں آئے تھے جب امریکہ نے جاپان میں دو ایٹم بم گرائے تھے اور دنیا نے پہلی بار ایٹم بموں سے ہونے والی تباہی کا نظارہ کیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک دنیا کے کئی ملکوں نے اتنے زیادہ طاقت ور ایٹمی ہتھیار اور بم بنا لیے ہیں کہ اگر ان سب کا استعمال ایک ساتھ کرلیا جائے تو یہ پوری دنیا ایک دو بار نہیں بلکہ کئی بار تباہ ہوسکتی ہے اور اس زمین پر ہر طرح کی زندگی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

اگست کا مہینہ ہمارے یہاں بارش، گرمی اور امس کا مہینہ ہوتا ہے لیکن جس طرح فروری میں سردی ڈھلنے لگتی ہے اسی طرح اگست گرمیوں کے ڈھلان کا پہلا مہینہ ہے جب زمین کا درمیانی حصہ سورج سے دور جانے لگتا ہے۔ لیکن ہوا میں نمی ہونے کی وجہ سے جو امس پیدا ہوتی ہے وہ درجہ حرارت میں کمی کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ زمین کے جنوبی حصے میں قطب جنوبی کے آس پاس جہاں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ واقع ہیں وہاں اگست کا مہینہ ہمارے یہاں کی فروری جیسا ٹھنڈا ہوتا ہے، جس میں سردی ذرا کم ہونے لگتی ہے۔ آیئے اب اس مہینے میں ہندوستان اور باقی دنیا میں پیش آنے خاص واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔

پہلی اگست: عظیم قومی ہندو رہنما بال گنگا دھر تلک کا اسی روز 1920 میں انتقال ہوا۔ مشہور فلمی اداکار مینا کماری 1932 میں پیدا ہوئیں۔ ہندوستان میں پیدا ہونے والے مشہور مصنف نرادسی چودھری کا 1999 میں انتقال ہوا۔

بال گنگا دھر تلک

2 اگست: ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1858 میں اس روز ہندوستان کی حکومت برطانوی حکومت کے حوالے کردی۔ 1934 میں جرمنی کے صدر پال وان ہنڈن برگ کے فوت ہوتے ہی ایڈولف ہٹلر نے حکومت سنبھال لی اور جرمنی کا سب سے بڑا 'رہنما' Fuhrer بن گیا۔

ایڈولف ہٹلر

1945 میں اس روز روسی رہنما جوزف اسٹالن، برطانوی وزیراعظم ونسٹن چرچل اور امریکی صدر ہیری ٹرومن کے درمیان ہونے والی سربراہ ملاقاتیں مکمل ہوئیں جنھیں پوٹس ڈم کانفرنسوں کا نام دیا گیا تھا۔ 1990 میں عراق نے کویت پر قبضہ کرلیا جو 1991 کی خلیجی جنگ کی وجہ بن گیا۔

3 اگست: مشہور شاعر شکیل بدایونی 1916 میں بدایوں اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ 1492 میں کرسٹوفر کولمبس مغرب کی سمت میں ہندوستان تک پہنچنے کا بحری راستہ ڈھونڈنے کے لیے اسپین کی بندرگاہ پالوس سے جہازی بیڑہ لے کر روانہ ہوا۔ بعد میں وہ ہندوستان پہنچنے کی بجائے اس براعظم پر پہنچ گیا جسے آج دنیا امریکہ کے نام سے جانتی ہے۔ 1914 میں اس دن جرمنی نے پہلی عالمی جنگ میں فرانس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

کرسٹوفر کولمبس

4 اگست: مشہور ہندوستانی گلوکار اور اداکار کشور کمار 1929 میں پیدا ہوئے۔ 1914 میں برطانیہ نے جرمنی کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور امریکہ نے اعلان کیا کہ وہ نیوٹرل رہے گا اور کسی کا ساتھ نہیں دے گا۔

5 اگست: سائرس ویسٹ فیلڈ اور دوسروں نے یوروپ اور امریکہ 1858 میں ٹیلیگراف کیبل کنکشن قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

6 اگست: آسٹریا اور ہنگری نے پہلی جنگ عظیم کے دوران 1914 میں اس روز روس کے خلاف اور سربیا نے جرمنی کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ 1945 میں دوسری جنگ عظیم کے دوران اس تاریخ کی صبح 8 بج کر 16 منٹ پر امریکی ہوائی فوج کے طیارے بی۔29 اینولا گے Enola Gay سے جاپان کے شہر ہیروشیما پر ایک ایٹم بم گرایا جس کا خفیہ نام لٹل بوائے Little Boy تھا۔ اس سے فوری طور پر 80 ہزار لوگوں کی موت واقع ہوگئی۔ بعد میں 60 ہزار لوگ بیمار ہوکر اس سال کے آخر تک مر گئے۔

7 اگست: 1941 میں اس دن عظیم فلسفی شاعر مصنف، مصور اور موسیقار گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور کا انتقال ہوا۔ 1976 میں اس روز امریکی خلائی راکٹ وائی کنگ 2 سیارہ مریخ کے مدار میں داخل ہو گیا۔ امریکی اخبار واشنگٹن اسٹار 123 سال جاری رہ کر 1981 میں بند ہو گیا۔

رابندر ناتھ ٹیگور

9 اگست: 1329 میں ہندوستانی شہر Quilon کو پوپ جان بائیسویں نے ہندوستان کا پہلا بشپ علاقہ Indian Diocese قرار دیا۔ مہاتما گاندھی اور 50 دوسروں کو بمبئی میں 'ہندوستان چھوڑو' تحریک کے تحت 1942 میں آل انڈیا کانگریس کا پہلا جتھا روانہ کرنے پر گرفتار کرلیا گیا۔ یہ تحریک ہندوستان کی آزادی کی لڑائی میں بے حد فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ہیروشیما پر بم گرانے کے تین روز بعد امریکہ نے جاپان کے شہر ناگاساکی پر بھی ایک نیوکلیئر بم گرایا جس سے 74 ہزار لوگ فوراً ہلاک ہو گئے۔

11 اگست: صرف 18 سال کے کم عمر انقلابی خودی رام بوس 1908 میں اس روز صبح 6 بجے کلکتہ میں انگریز حکومت نے پھانسی پر لٹکا دیا۔ خودی رام بوس نے 16 سال کی عمر میں مظفر پور (بہار) میں اپنے ساتھی پرفل کے ہمراہ بم سے حملہ کیا تھا جس سے تین انگریزوں کی موت ہوگئی تھی۔ نوجوانوں کے دلوں میں انگریزوں کی غلامی کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے میں خودی رام بوس کی شہادت کا بڑا ہاتھ تھا جو اس وقت کے اخباروں کی رپورٹوں کے مطابق پھانسی پر چڑھتے وقت سچ مچ مسکرا رہے تھے۔

خودی رام بوس

12 اگست: مشہور ہندوستانی سائنس داں اور فزکس کے عالم وکرم سارابھائی کا 1919 میں جنم ہوا۔ سوویت یونین (موجودہ روس) نے 1953 میں اپنے پہلے ہائیڈروجن بم کا خفیہ تجربہ کیا لیکن اس کا اعتراف 20 اگست کو کیا گیا۔

13 اگست: انگریز سپاہیوں نے 1919 میں امرتسر کے جلیاں والا باغ میں نہتّے لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر کر فائرنگ کی اور 350 سے

جلیاں والا باغ سانحہ: ایک پینٹنگ

زائد لوگوں کو مارڈالا۔ جدید نرسنگ کی بنیاد ڈالنے والی فلورنس نائٹنگیل عرف اے لیڈی ود دی لیمپ کا 1910 میں لندن میں انتقال ہوا۔ 1960 میں خلائی سیارچے ایکو ون Echo One کے ذریعے پہلی بار سیٹیلائٹ ٹیلیفون پر دوطرفہ رابطہ ممکن ہوسکا۔

14 اگست: 1 ہندوستان کے لیے کامن ویلتھ میں رہتے ہوئے آزادی کی منظوری دی گئی۔ پاکستان کو ہندوستان سے الگ کر کے آزادی دے دی گئی۔ فلمی کامیڈین جانی لیور کا 1956 میں جنم ہوا۔ دنیا میں پہلی بار پیرس میں 1894 سے اسی روز موٹر گاڑیوں کے لائسنس اور نمبر پلیٹ لگانے کا چلن شروع ہوا۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران چین نے 1917 میں جرمنی اور آسٹریا کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔

15 اگست: ہندوستان 1947 میں انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا۔ آسام میں 1950 میں 8.6 پیمانے کا زلزلہ آیا جس میں 20 ہزار سے 30 ہزار کے درمیان لوگوں کی موت ہوئی۔ فلم اداکارہ راکھی گلزار کا 1947 میں جنم ہوا۔ نپولین بوناپارٹ 1769 میں کارسیکا جزیرے کے شہر اجاچیو میں پیدا ہوا۔ ایک سال پہلے ہی فرانس نے ری پبلک

نپولین بونا پارٹ

آف جینوآ Genoa سے یہ جزیرہ خریدا تھا۔ ٹامس ایڈیسن نے 1877 میں پہلی بار آواز ریکارڈ کی۔ یہ 'Marry had a little lamb' والی نظم تھی۔

16 اگست: مشہور امریکی گلوکار ایلویس پریسلے Elvis Presley کا 1977 میں انتقال ہوا۔

17 اگست: 1969 میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سرحد طے ہوئی جسے ریڈکلف لائن Redcliffe Line کہا جاتا ہے۔

18 اگست: ہندوستانی ادارہ پرسس کھمباٹا کا انتقال ہوگیا جنھوں نے مشہور فلم اسٹار ٹریک: اے موشن پکچر میں لیفٹننٹ ایلیا کا رول ادا کیا تھا۔ 1587 میں امریکہ میں ورجینیا ڈیئر کی پیدائش ہوئی جو امریکی سرزمین پر پہلے انگریز بچّے کی پیدائش تھی۔

19 اگست: 1944 میں آخری جاپانی فوجی دستوں کو بھی ہندوستان سے کھدیڑ دیا گیا۔

20 اگست: راجیو گاندھی 1944 میں پیدا ہوئے۔ جرمنی کی فوجوں نے پہلی جنگ عظیم میں 1914 میں برسیلز، بیلجیم پر قبضہ کرلیا۔ 1977 میں امریکہ نے وائجر۔2 خلا میں کسی دوسری مخلوق کی تلاش میں بھیجا جو اپنے ساتھ 12 انچ کا تانبے کا گراموفون ریکارڈ لے کر گیا جس میں درجنوں زبانوں میں پیغامات کے ساتھ موسیقی، اور قدرتی آوازوں کے نمونے بھرے گئے تھے۔

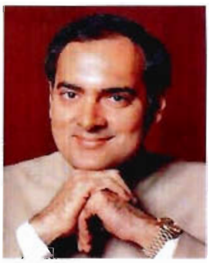

راجیو گاندھی

21 اگست: مشہور شہنائی نواز بھارت رتن استاد بسم اللہ خاں کا 2006 میں انتقال ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ ان سے بہتر شہنائی بجانے والا کوئی پیدا نہیں ہوا۔

بھارت رتن استاد بسم اللہ خاں

22اگست: پیرس میں 1914 میں بتایا گیا کہ مشہور مصور لیونارڈو ڈا ونچی کی بنائی ہوئی مونا لزا کی دنیا بھر میں مشہور بیش قیمت تصویر لاورے Louvre کے میوزیم سے پچھلی رات چوری ہوگئی۔ یہ تصویر دو سال بعد برامد ہوسکی۔

مونا لزا

24اگست: انگریزوں کے پہلے قافلے نے 1608 میں سورت گجرات کی زمین پر قدم رکھا۔ 1690 میں انگریز افسر جاب چرنوک نے کلکتہ شہر کی بنیاد رکھی۔ 1971 میں ہندوستان نے پہلی بار انگلینڈ کو اسی کی زمین پر کسی ٹیسٹ میچ میں ہرایا۔ سن 79 میں صدیوں سے خاموش آتش فشاں پہاڑ ویسوویئس اچانک آگ اگلنے لگا جس سے اٹلی کے شہر پومپیئی آئی، ہرکولینیم اور اسٹیبیای راکھ میں دب گئے اور اندازاً 20 ہزار لوگ مارے گئے۔ 1968 میں فرانس جنوبی بحر الکاہل میں ہائڈروجن بم کے تجربے کے بعد دنیا کی پانچویں ایٹمی طاقت بن گیا۔ اس سے پہلے امریکہ روس انگلینڈ اور چین ایٹم بم بنا چکے تھے۔

آگ اگلتے ویسوویئس کی خیالی تصویر

25اگست: جرمنی کی نازی فوجوں کے چار سالہ قبضے کے بعد پیرس کو 1944 میں آزاد کرالیا گیا مگر دوسری عالمی جنگ جاری رہی۔

26اگست: سن 55 قبل مسیح میں جولیس سیزر نے اس روز برطانیہ پر حملہ کردیا۔ انڈونیشیا میں اس دن 1883 میں کراکاٹوآ آتش فشاں حرکت میں آئے اور تیزی سے اس میں زبردست دھماکے ہونے لگے جن کی آواز 2200 میل دور آسٹریلیا میں بھی سنی گئی۔ اگلے روز یہ آتش فشاں جزیرہ پھٹ گیا۔ اس دوران انڈونیشیا کے آبنائے سندا Sunda Strait سے سمندر میں اٹھنے والی اونچی جاوا اور سماترا کے ساحلوں پر 36000 لوگوں کی جان لے لی۔ یہ اپنے وقتوں کی سونامی تھی۔

27اگست: مشہور ہندوستانی گلوکار مکیش کا 1976 میں امریکہ میں انتقال ہوگیا۔ 2007 میں مشہور فلم ہدایت کار رشی کیش مکرجی نے آخری سانس لی۔ ایتھیوپیا (حبش) کے تین ہزار سال پرانے شاہی خاندان کے آخری عیسائی بادشاہ ہیل سلاسی کا 82 سال کی عمر میں 1975 میں انتقال ہوگیا جنھیں ایک بغاوت کے بعد تخت سے ہٹا دیا گیا تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کے آخری وائسرائے اور آزاد ہندوستان کے اول گورنر جنرل لارڈ لوئیس ماؤنٹ بیٹن کو آئرلینڈ کے باغیوں نے بم دھماکے میں ہلاک کردیا۔

شہنشاہ ہیل سلاسی

28اگست: ہندوستان اور پاکستان نے 1973 میں جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سمجھوتے پر دستخط کئے جس کے تحت تقریباً ایک لاکھ پاکستانی فوجیوں ان کے وطن واپس بھیجا جاسکا جو بنگلہ دیش کی جنگ آزادی میں ہندوستانی فوج کے ہاتھوں پکڑے گئے تھے۔ امریکہ کے عظیم گاندھی وادی سیاہ فام رہنما مارٹن لوتھر کنگ جونیئر نے تقریباً دو لاکھ لوگوں کے سامنے وہ مشہور تقریر کی جس میں انہوں نے بار بار "میں نے اک خواب دیکھا ہے" I Have A Dream کا جملہ دہرا کر بتایا تھا کہ وہ کیسے امریکی سماج کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس تقریر نے امریکی سماج پر بہت دور تک اثر ڈالا جس کے نتیجے میں حالیہ برسوں میں براک حسین اوباما جیسے سیاہ فام رہنما کو ایک بار نہیں دو مرتبہ امریکہ کا صدر چنا جاسکا۔ گاندھی جی طرح انھیں بھی قتل کردیا گیا مگر ان کی عمر صرف 39 سال تھی۔

مارٹن لوتھر کنگ جونیئر

30اگست: 1928 میں پنڈت جواہر لال نہرو نے انگریز حکومت سے آزادی کا مطالبہ کیا۔

31اگست: 1569 میں مغل بادشاہ جہانگیر کی پیدائش ہوئی۔ پنجابی کی شاعرہ امرتا پریتم 1919 میں پیدا ہوئیں۔ ایڈیسن نے اپنی ایجاد کائینیٹو اسکوپ کا پیٹنٹ کرایا جس میں تصویریں چلتی پھرتی نظر آتی تھیں۔ □

□ محمد شکیل خاں

انورٹر ہے میرا نام

انورٹر ہے میرا نام
کیا عمدہ ہے میرا کام
جب بجلی گل ہوجاتی ہے
میری ضرورت پیش آتی ہے
گھر کو کرتا ہوں پُرنور
نور نہیں ہے مجھ سے دور
بیٹری میری بھاری بھرکم
اٹھے لگا کے پورا دم خم
کان ہے میرا ایک مشین
جس میں بتی ہے دو تین
سوئچ بہت ہلکا ہے اس کا
گول ہے بالکل چہرہ جس کا
میں چلتا ہوں گھنٹے آٹھ
بچو یاد کرو تم پاٹھ
لوڈ زیادہ نہیں میں سہتا
سب سے پہلے یہی میں کہتا
قیمت میری پندرہ ہزار
ٹرالی کے ہیں پائے چار

میرے شائق لاکھوں یار
مجھ سے کرتے ہیں سب پیار
دیکھو ٹی وی بارم بار
پنکھے چلتے مجھ سے چار
چارج کرو موبائل اپنا
پورا کرلو اپنا سپنا
بجلی سے ہوتا ہوں چارج
کام ہے میرا کتنا لارج
وقت کی ہوں میں پہلی مانگ
میری شہرت چاروں دانگ
رنگ ہے میرا گورا کالا
سب کاہوں میں دیکھا بھالا
جلوں نہیں میں دھیان رہے
جسم میں میرے جان رہے
ختم نہ ہونے پائے پانی
چھوٹی سی ہے مری کہانی
بچو! مجھ سے لابھ اٹھاؤ
پڑھو لکھو اور نام کماؤ

محمد شکیل خاں اسسٹنٹ اردو سکشن، بہار ودھان پریشد، پٹنہ۔800015

قسط وار ناول

□ جولز ورنے • مترجم: صفدر حسین

3

اَسّی دِن کَا سَفر

فرانسیسی مصنف، شاعراور ڈرامہ نویس جولز گیبرئیل ورنے Jules Gabriel Verne دنیا میں سب سے زیادہ پڑھے جانے والے ناول نگاروں میں شامل تھے۔سائنسی کہانیاں لکھنے میں ان کا جواب نہیں تھا۔ دنیا کے ادب میں انھیں فادر آف سائنس فکشن کہا جاتا ہے۔ جاسوسی ناول لکھنے والی مصنفہ اگاتھا کرسٹی کے بعد جولز ورنے دنیا کے دوسرے مصنف ہیں جن کی کتابوں کا سب سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ انھوں نے زیادہ تر مہماتی adventurous ناول لکھے ہیں جن میں زمین کے اندر، زمین کے اوپراور سمندر میں کئے گئے سفروں کی حیرت انگیز داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے کئی ناولوں پر فلمیں بن چکی ہیں۔ان میں اراؤنڈ دی ورلڈ ان ایٹی ڈیزAround the World in Eighty Days کو سب سے مقبول مانا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسے شریف انسان فلیس فوگ Phileas Fogg کی مہم جوئی کا قصہ ہے جو رحم دل، بہادر اور وقت کا کسی سنکی آدمی سے بھی زیادہ پابند انسان ہے۔ لندن کے ایک کلب میں وہ تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کے ایک ایسے زمانے میں صرف اسّی دن کے اندر دنیا کا پورا ایک چکّر لگانے کی شرط اور چیلنج قبول کر لیتا ہے جب ہوائی جہاز اور موٹریں نہیں تھی اور پانی کے جہاز بھی بھاپ سے چلتے تھے۔ جیسے ہی فلیس فوگ اپنے فرانسیسی خادم ژاں پاس پرٹو Jean Passepartout کو ساتھ لے کر شرط کے مطابق اپنا سفر شروع کرتا ہے پولیس اسے ڈاکو سمجھ کر پیچھے لگ جاتی ہے اور یوں طرح طرح کی رکاوٹوں سے بھرا اس کا سفر بالآخر مکمل ہوتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وقت کے معاملے میں پہلی مرتبہ فلیس فوگ سے ایک غلطی ہوگئی ہے اور وہ بظاہر شرط ہار جاتا ہے۔ لیکن تبھی ایک حیرت انگیز سچّائی سامنے آتی ہے اور فلیس فوگ شرط جیت لیتا ہے۔ قومی اردو کونسل نے اس کتاب کی تلخیص چھاپی ہے جسے آپ کی دل چسپی کے لیے ہم سلسلہ وار پیش کررہے ہیں۔ ناول اتنا دل چسپ ہے کہ آپ اگلی قسط کے لیے بے چین ہو اٹھیں گے۔ تو لیجیے حاضر ہے ناول 'اسّی دن میں دنیا کا سفر' کی اگلی قسط۔

مدیر

آغازِ سفر

اب تک کی کہانی: 1872 کی بات ہے۔ انگلستان کی راجدھانی لندن میں ایک مالدار شخص فلیس فوگ رہتا تھا۔ لوگ بس اتنا جانتے تھے کہ وہ شریف آدمی ہے، وقت، ضابطوں اور قول کا کسی سنکی کی طرح پابند ہے اور کام وقت پر شروع اور ختم کرتا ہے۔ وہ ایک بڑے گھر میں تنہا رہتا تھا جہاں اس صرف ایک ملازم تھا اور اسے بھی سارے کام مشین کی طرح قاعدے سے کرنے پڑتے۔ 2 اکتوبر کو بے چارے نوکر کی شامت جو آئی تو اس نے مالک کو شیو کے لئے روز کی طرح 86 ڈگری کی بجائے 84 ڈگری کا گرم پانی لاکر دے دیا۔ اس پر مسٹر فوگ نے اسے نکال کر ایک فرانسیسی شخص ژاں پاس پرٹو کو ملازم رکھ لیا جو ایماندار اور وقت کا پابند آدمی تھا۔ فوگ نے کام کے سارے اصول اور اوقات اسے سمجھا دیے۔ وہ ہر روز ساڑھے گیارہ بجے گھر سے 576 قدم گن کر اپنے 'ریفارم کلب' پہنچتا دوپہر کا کھانا کھا تا بارہ بج کر 47 منٹ پر مطالعہ گاہ میں ترتیب وار اخبار پڑھنا شروع کرتا اور اسی طرح شام کا ناشتہ کرنے، دوستوں کے ساتھ تاش کھیلنے اور کھانے کے بعد رات کو ٹھیک بارہ بجے گھر واپس پہنچتا تھا۔ اس روز فوگ کے دوست تین روز پہلے 29 ستمبر کو بنک آف انگلینڈ میں پڑی ڈکیتی کے بارے میں بات کر رہے تھے، جس میں ڈاکو 55 ہزار پونڈ کے نوٹ لے اڑا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اب تک ڈاکو نہ جانے کہاں پہنچ چکا ہوگا اور اتنی بڑی دنیا میں اسے ڈھونڈ پانا اب ممکن نہیں۔ مگر فوگ کا کہنا تھا کہ انسان کی رفتار نے دنیا کو مختصر کر دیا ہے اور چور کو پکڑا جا سکتا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ اسّی روز میں پوری دنیا کا چکّر لگا سکتا ہے۔ اس کے دوست اسٹیوارٹ نے کہا وہ اس پر چار ہزار پونڈ کی شرط لگانے کو تیار ہے۔ دوسرے لوگ بھی شرط میں مل گئے۔ فوگ نے 20 ہزار پونڈ کی شرط قبول کر لی۔ شرط کے مطابق فوگ کو اسی روز 2 اکتوبر بدھ کو سفر پر روانہ ہونا تھا جس کے بعد 21 دسمبر سنیچر کی رات 8 بج کر 45 منٹ تک واپسی پر وہ شرط جیت سکتا تھا۔ تبھی گھڑی نے سات بجائے اور ساتھیوں نے فوگ سے کہا کہ اب وہ تاش بند کر دے کیوں کہ گھر جا کر اسے تیاریاں کرنی ہیں اور وقت کم رہ گیا ہے۔ فوگ نے کہا: ''میں ہمیشہ تیار رہتا ہوں، کھیل جاری رہے گا۔'' اب آگے پڑھیے:

فلیس فوگ نے تاش میں 21 پونڈ جیتنے کے بعد 7 بج کر 25 منٹ پر، کلب کے ساتھیوں کو خدا حافظ کہا اور سیدھے گھر کی راہ لی۔ 7 بج کر 50 منٹ پر وہ اپنے مکان میں داخل ہوا۔

پاس پرٹو نے جب مالک کے قدموں کی آواز سنی تو اسے بڑا اچنبھا ہوا۔ وہ سوچنے لگا فلیس فوگ تو آدھی رات گئے گھر واپس آنے والا تھا۔ اسے اپنے آپ پر یقین نہیں آرہا تھا کیوں کہ اس کے کان تو دھوکا کھا سکتے تھے، لیکن فلیس فوگ بارہ بجے سے پہلے کسی صورت گھر نہیں آسکتا تھا۔

فلیس فوگ سیدھا اپنے سونے کے کمرے میں گیا اور پھر اس نے ملازم کو آواز دی۔

پاس پرٹو نے کوئی جواب نہیں دیا...اس نے سوچا مالک نے ضرور کسی اور کو پکارا ہوگا۔ حالانکہ گھر میں اس کے سوا کوئی اور ملازم نہ تھا۔

''پاس پرٹو، پاس پرٹو!''، فلیس فوگ پھر چلایا۔

پاس پرٹو اس کے سونے کے کمرے میں گیا تو مالک نے کہا:

''میں تمہیں دو مرتبہ آواز دے چکا ہوں، کیا تم نے سنا نہیں۔''

پاس پرٹو نے اپنی جیب سے گھڑی نکالی اور دکھلاتے ہوئے کہا۔

لندن کا چیئرنگ کراس ریلوے اسٹیشن

''لیکن جناب ابھی بارہ تو نہیں بجے۔''

فلیس فوگ بھانپ گیا۔ اس نے کہا ''میں جانتا ہوں ابھی بارہ نہیں بجے۔ میں تم پر غصہ نہیں کر رہا ہوں۔ ہم صرف دس منٹ میں ڈوور کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔''

یہ سنتے ہی پاس پرٹو کا سر چکرا گیا اس نے اپنے کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''کیا آپ اکیلے جارہے ہیں جناب؟''

''نہیں''، فلیس فوگ نے کہا ''ہمیں ساری دنیا کا سفر کرنا ہے۔''

پاس پرٹو یہ سن کر سکتے میں آ گیا کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ وہ بڑبڑانے لگا۔

''دنیا کا سفر''

''صرف اسّی دن میں''، فلیس فوگ نے کہا ''اسی لیے ہمیں ایک لمحہ بھی نہیں گنوانا چاہئے۔''

''لیکن سامان وغیرہ؟'' پاس پرٹو نے پوچھا۔

فلیس فوگ نے کہا: ''کوئی سامان ساتھ نہیں ہوگا صرف ایک سفری بیگ، اور ہاں ہم دونوں کے لئے دو دو قمیصیں اور تین تین جوڑی موزے، اسی بیگ میں رکھ لو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو ہم راستے میں خرید لیں گے۔ میری برساتی اور سفری کمبل لاؤ، اور سنو، یوں تو ہمیں زیادہ چلنا نہیں پڑے گا۔ پھر بھی تم مضبوط جوتے پہن لو... جاؤ جلدی کرو۔''

پاس پرٹو کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن مارے ڈر کے اس کے زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ دوڑا ہوا وہ اپنے کمرے میں گیا اور دھڑام سے ایک کرسی پر گر گیا اور بڑبڑانے لگا۔

''بہت اچھے! بہت خوب! میں سمجھ رہا تھا کہ آرام سے یہاں چند روز گزار سکوں گا۔''

بڑی بددلی سے سفر کا سامان باندھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ صرف اسّی دن میں دنیا کا سفر؟ کیا مالک دیوانہ تو نہیں ہوگیا؟ نہیں ایسا تو نہیں ہوسکتا یا پھر یہ مذاق ہے؟ یہ بھی نہیں ہوسکتا، پہلے تو ہم ڈوور جائیں گے وہاں سے پھر سیدھے کیلے، شاید پیرس بھی جائیں، مگر کوئی ایسا شخص جو سارا وقت کلب یا گھر پر ہی گزارتا ہو، پیرس سے آگے تو نہیں جائے گا۔

پانچ منٹ میں پاس پرٹو نے سفر کی ساری تیاریاں کرلیں۔ دروازوں پر تالے لگا دیئے۔ فلیس فوگ بھی بالکل تیار ہو چکا تھا۔ اس نے پاس پرٹو کے ہاتھ سے سفری بیگ لے کر اسے کھولا اور نئے نئے نوٹوں کا ایک بڑا سا بنڈل اس میں رکھ دیا، جو راستے کے خرچ کے لئے وہ ساتھ لیے جارہا تھا۔

پھر اس نے پاس پرٹو سے پوچھا ''تم کوئی چیز بھولے تو نہیں؟''

''کچھ نہیں جناب''

''میری برساتی اور سفری کمبل''

''ہاں رکھ لیا ہے۔''

فلیس فوگ نے پاس پرٹو کو بیگ دیتے ہوئے کہا۔

''اچھا یہ بیگ لے لو۔ اسے بڑی احتیاط سے رکھنا۔ اس میں بیس ہزار پونڈ ہیں۔''

پاس پرٹو نے بیس ہزار پونڈ کے الفاظ سنے تو اسے لگا کہ وزن کے مارے وہ بیگ اس کے ہاتھ سے کھسکتا جا رہا ہے۔ جیسے وہ بیس ہزار پونڈ کاغذ کے نوٹ نہیں سونے اور چاندی کے سکے ہوں۔

آقا اور ملازم سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آئے اور ملازم نے باہر کے دروازے پر ایک کی بجائے دو تالے لگائے پھر ایک گاڑی میں بیٹھ کر وہ لندن کے چیرنگ کراس اسٹیشن گئے، جہاں سے انھیں ڈوور کے لئے ٹرین پکڑنی تھی۔

8 بج کر 20 منٹ پر گاڑی اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ فلیس فوگ نے گاڑی سے اتر کر کرایہ دیا۔ پاس پرٹو بھی گاڑی سے باہر کود پڑا اور اپنے آقا کے پیچھے ہولیا۔ اس وقت اسٹیشن کے باہر ایک غریب بھکارن پھٹے پرانے کپڑے پہنے، چھوٹے سے بچے کو گود میں لیے ننگے پیر ہی کیچڑ میں کھڑی تھی۔ اس نے بھیک کے لئے فلیس فوگ کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ فلیس فوگ نے اپنی جیب سے تاش میں جیتے ہوئے اکیس پونڈ نکالے اور اس بھکارن کو دیتے ہوئے کہا:

''یہ لو تم اچھے وقت پر مل گئیں۔''

پاس پرٹو نے فلیس فوگ کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو اس کی نظر میں آقا کی عزت اور بڑھ گئی۔

فلیس فوگ اور پاس پرٹو سیدھے پلیٹ فارم پر پہنچے۔

پاس پرٹو ٹکٹ گھر کی طرف چلا گیا پلیٹ فارم پر جب فلیس فوگ نے گھوم کر دوسری طرف دیکھا تو ریفارم کلب کے پانچوں ساتھی وہاں موجود تھے۔ فلیس فوگ ان کے پاس گیا اور کہا۔

''اچھا ساتھیو! اب میں چلا اور یہ رہا میرا پاسپورٹ۔''

اسٹیوارٹ نے پوچھا:

''تمہیں اپنی واپسی کی تاریخ یاد ہے نا؟''

فلیس فوگ نے جواب دیا:

''ہاں اچھی طرح یاد ہے اسّی دن بعد سنیچر کے دن۔ 21 دسمبر 1872 کو رات کے 8 بج کر 45 منٹ پر ریفارم کلب کے اس کمرے میں ہم پھر ملیں گے، خدا حافظ۔''

ڈوور ریلوے اسٹیشن کی عمارت کے اوپر لگا ہوا پرانا نشان

اتنے میں پاس پرٹو فرسٹ کلاس کے دو ٹکٹ لے کر آ گیا۔

8 بج کر 40 منٹ پر آقا اور ملازم ریل میں سوار ہو گئے اور ڈبہ میں اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ پانچ منٹ کے بعد انجن نے ایک لمبی سیٹی دی اور ٹرین دھواں اڑاتی ہوئی پلیٹ فارم سے چل پڑی اور اس طرح دنیا کا سفر شروع ہو گیا۔

رات بہت اندھیری تھی۔ باہر چھم چھم بارش ہو رہی تھی۔ فلیس فوگ نے اطمینان کی سانس لی اور آرام سے اپنی سیٹ پر دراز ہو گیا۔ لیکن اس کے برخلاف پاس پرٹو کا دھیان گھر کی طرف ہی تھا۔ وہ پریشانی کی حالت میں سفری بیگ اپنے سینے لگائے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اچانک اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

''کیا بات ہے؟''، فلیس فوگ نے پوچھا۔

پاس پرٹو نے ہکلاتے ہوئے کہا ''جلدی میں میں بھول گیا...''

''ارے آخر کیا بھول گیا؟''

پاس پرٹو نے جھینپتے ہوئے جواب دیا۔

''میں اپنے کمرے کی بتی بجھانا بھول گیا۔''

فلیس فوگ نے کہا۔

''خیر کوئی بات نہیں، مگر یاد رکھو گیس کا خرچ تمہیں دینا پڑے گا۔''

فلیس فوگ نے جس وقت لندن کو خدا حافظ کہا تو اسے اس بات کا ذرا بھی گمان نہ تھا کہ اس کے سفر کی سارے انگلستان میں دھوم مچ جائے گی۔ شرط کی خبر ملک کے سارے اخباروں میں چھپ چکی تھی۔ ایک اخبار نے تو اس کی تصویر بھی چھاپی تھی۔ جسے دیکھو، اسی سفر کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ ہر جگہ بحث مباحثے ہونے لگے۔ کچھ لوگوں نے فلیس فوگ کی طرف داری کی لیکن اکثر یہی سمجھ رہے تھے کہ اسّی دن میں دنیا کا سفر نہ صرف ناممکن ہے بلکہ سراسر دیوانگی ہے۔

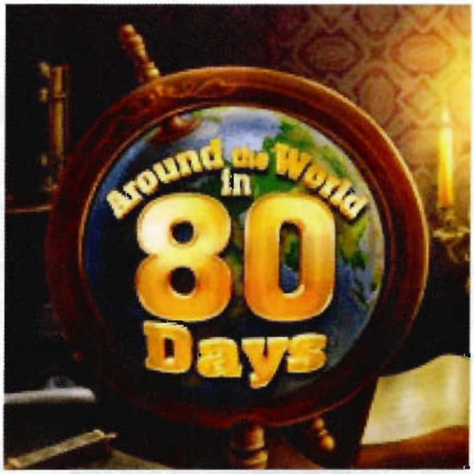

ایک اخبار نے تو صاف صاف لکھ دیا کہ یہ مہم محض ایک حماقت ہے، کیوں کہ فلیس فوگ کے لئے سارے حالات ناموافق ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بیچ سمندر میں جہاز کے انجن میں کوئی خرابی پیدا ہوجائے، کہیں جنگل میں ریل پٹری سے اتر جائے، بعض دفعہ تو تیز رفتار جہازوں کو بھی اپنی منزل تک پہنچنے میں دیر ہوجاتی ہے۔ اگر کہیں وقت پر جہاز نہ مل سکے تو دوسرے جہاز کے لئے فلیس فوگ کو کئی دن تک انتظار کرنا پڑے گا اور اگر اس طرح ایک دن کی بھی دیر ہوجائے تو وہ شرط ہار جائے گا۔

اخبار کے اس مضمون نے ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس کے بعد ملک کے تمام اخباروں نے اسی مضمون کو چھاپا جس نے سارے پڑھنے والوں کے دل میں ایک گدگدی پیدا کر دی۔ انگریز تو شرط لگانے میں دوسروں سے ایک قدم آگے ہیں ہی۔ لوگوں نے بھی آپس میں شرطیں لگانی شروع کر دیں۔ کچھ کہتے کہ فلیس فوگ کی ہی جیت ہوگی۔ لیکن اکثر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ ضرور شرط ہار جائے گا۔

فلیس فوگ کی تائید کرنے والوں کی تعداد دن بہ دن گھٹ رہی تھی۔ اس کی روانگی کے سات دن بعد یعنی 9 اکتوبر کو کچھ ایسی بات ہوئی کہ لوگوں نے یکا یک شرطیں لگانا بند کر دیں۔

لندن پولیس کے اعلا عہدہ دار کے پاس رات کے نو بجے بندرگاہِ سوئز سے ایک تار آیا۔

''میں بینک کے چور کا پیچھا کر رہا ہوں۔ فوراً گرفتاری کا وارنٹ بمبئی بھیجا جائے۔'' سراغ رساں فکس

تار کی خبر آگ کی طرح ملک بھر میں پھیل گئی۔ پلک جھپکتے ہی ایک نہایت شریف خوش اخلاق اور مال دار آدمی فلیس فوگ بینک کا چور بن گیا۔ 'ریفارم کلب' میں دوسرے ممبروں کے ساتھ فلیس فوگ کی جو تصویر دیوار سے لگی ہوئی تھی اس کی اچھی طرح جانچ کی گئی کیوں کہ جس دن بینک میں چوری ہوئی تھی اس کا ہم شکل ایک آدمی بینک کے کاؤنٹر کے پاس دیکھا گیا تھا۔

فلیس فوگ کی خاموش طبیعت اس کے عجیب وغریب عادات و اطوار اور پھر اس طرح اس کا اچانک ایک لمبے سفر پر روانہ ہوجانا۔ ان ساری باتوں کی وجہ سے لوگ شش و پنج میں پڑ گئے۔

سارے واقعات پر غور کرنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ دنیا کے سفر کی یہ عجیب شرط یقیناً فلیس فوگ کے ہی دماغ کی پیداوار تھی تاکہ نہ صرف پولیس کا دھیان اس چوری کی طرف سے ہٹایا جاسکے، بلکہ خفیہ پولیس کے لوگوں کو بھی چکمہ دیا جاسکے۔ جاری

آپ کے سوال
ڈاکٹر بقراط کے جواب

ڈاکٹر بقراط ایک عجیب شخصیت کے مالک ہیں۔ کوئی ایسا سوال نہیں جس کا جواب ان کے پاس نہ ہو۔ بس مشکل یہ ہے کہ ڈاکٹر بقراط کے دماغ کی زنبیل میں جواب تو بہت سے ہیں، لیکن سوالوں سے ان کا ذہن خالی ہوگیا ہے۔ بچوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے پاس پوچھنے کے لیے ہمیشہ بہت سے سوال رہتے ہیں۔ یہ کیا ہے، وہ کیوں ہے، یہ کیوں نہیں ہے، وہ کس لیے ہے، کس کے لیے ہے... یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب ملنے سے نئے سوال سامنے آتے ہیں، اور یوں سوالوں کے ساتھ ساتھ آپ کے علم و معلومات میں اضافے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر بقراط آپ کے سوالوں کا بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔ ان سے بات کریں گے میاں افلاطون جو ایک مشہور طالب علم ہیں اور ایک ہی کلاس میں لگاتار فیل ہونے کا عالمی ریکارڈ بنانے والے ہیں!

میاں افلاطون: آداب عرض ہے ڈاکٹر بقراط۔ میرا خیال ہے آج پہلا ہی سوال آپ کو مشکل میں ڈال دے گا۔ دنیا کی پہلی خاتون وزیر اعظم کون تھیں؟ اسرائیل کی مسز گولڈا مائر، ہماری مسز اندرا گاندھی یا برطانیہ کی مسز مارگریٹ تھیچر جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ یہ سوال سرینگر سے ماجد علی نے پوچھا ہے۔

ڈاکٹر بقراط: ان تینوں میں سے کوئی بھی دنیا کی پہلی خاتون وزیر اعظم نہیں تھیں۔ یہ اعزاز ملا ہے ہمارے پڑوسی ملک سری لنکا کی سری ماؤ بندارا نائکے کو جو تین مرتبہ وزیر اعظم رہیں۔ پہلی مرتبہ 1960 سے 1965 تک۔ دوسری دفعہ 1970 سے 1977 تک اور تیسری بار 1994 سے 2000 تک۔ اُسی سال 10 اکتوبر کو ان کا انتقال ہوا تھا۔ وہ 17 اپریل 1916 کو پیدا ہوئی تھیں۔ ان کے شوہر سولومن بندارا نائکے بھی ملک کے وزیر اعظم رہ چکے تھے اور بعد میں ان کی بیٹی چندریکا کمارا تنگا ملک کی چوتھی صدر بنیں۔ محترمہ اندرا گاندھی دنیا کی دوسری خاتون وزیر اعظم تھیں جنھوں نے پہلی بار 24 جنوری 1966 کو یہ عہدہ سنبھالا تھا۔ گولڈا مائر اس سلسلے میں تیسری وزیر اعظم تھیں جنھیں 17 مارچ 1971 کو اسرائیل کا وزیر اعظم بنایا گیا۔

سری ماؤبندارا نائکے

افلاطون: اب اجازت ہو تو ایک سوال میں پوچھ لوں؟

ڈاکٹر بقراط: تم! اور سوال پوچھو گے؟ خود سوال پوچھنے کی عقل تم میں ہوتی تو کئی سال سے ایک ہی کلاس میں نہ پڑے رہے ہوتے۔ میرے لیے تمھارا سوال پوچھنا ہی ایک حیرت کی بات ہے۔ جلدی سے پوچھو۔

افلاطون: میرا سوال یہ ہے کہ دنیا کی پہلی خاتون حکمراں کون تھی؟

ڈاکٹر بقراط: ارے واہ، تم نے تو سچ مچ ڈھنگ کا سوال پوچھا ہے۔ میں تمھاری شان میں کہے گئے ایک دو لفظ واپس لیتا ہوں۔ جواب اس سوال کا یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں سال پہلے جب انسانی سماج میں عورتوں کو وہی اعلیٰ درجہ حاصل تھا جو بعد میں مردوں نے حاصل کیا تب کچھ نہ کچھ عورتیں اپنے علاقوں یا ملکوں کی حکمراں رہی ہوں گی۔ لیکن ان کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔ وجہ یہ کہ ہمارے پاس صرف چار پانچ ہزار سال کی انسانی تاریخ کا تھوڑا بہت احوال موجود ہے۔ اس آدھی ادھوری تاریخ کے مطابق مرد وسماج میں پہلی بار عورتیں مصر میں حکمراں بنی تھیں۔ ان میں پہلی تھی، حضرت عیسیٰ سے پندرہ سو سال پہلے کی

حکمراں ہت شپ ست Hatshepsut۔ حکمراں بن کر اس نے فرعون Pharaoh کا لقب اختیار کر لیا تھا اور تجارت و آرٹ کو اس نے اپنے دور میں کافی ترقی دی۔ اس کا بنایا ہوا خوب صورت مندر دیر البحری اب بھی مصر کے قدیم شہر تھیبس Thebes کے مغرب میں موجود ہے۔ اس کے بعد چودھویں صدی قبل مسیح کی مصری ملکہ نیفر تائتی Nefertiti کا ذکر ملتا ہے جس نے صرف ایک خدا آتین Aten کو ماننے والا مذہب شروع کیا۔ اسیریا کی سمورا امت Sammuramat نے 9ویں صدی قبل مسیح میں بابل کی سلطنت کو دور تک پھیلایا اور دجلہ وفرات سے نہریں نکالیں اور حضرت عیسیٰ سے صرف 69 سال پہلے پیدا ہونے والی قلوپطرہ نے مصر کی ملکہ بن کر اپنا اثر روم تک پھیلایا۔ وہ بے حد ذہین اور خوب صورت تھی۔ ہندوستان کی تاریخ میں پہلی خاتون حکمراں کا اعزاز رضیہ سلطان کو جاتا ہے جس کا شاہی نام جلالۃ الدین رضیہ تھا اور جو 13 اکتوبر 1205 کو پیدا ہوئی تھی۔ سلطان شمس الدین التمش اس کے والد تھے۔ وہ دہلی سلطنت کی پہلی اور آخری خاتون حکمراں تھی۔ اس کے بعد ملک کے کئی حصوں میں خواتین کی حکومت رہی، جن میں چاند بی بی، لکشمی بائی، بیگم حضرت محل وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ارے... تم تو اونگھنے لگے۔ کچھ سنا بھی تم نے یا نہیں۔

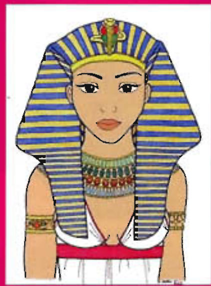

ہت شپ ست

افلاطون: اوہ! معاف کیجیے، میں اونگھ نہیں رہا تھا بلکہ مصر کی ملکاؤں کے دور میں کھو گیا تھا۔ ان خواتین کے یہاں کھانا وغیرہ تو غالباً مرد بناتے ہوں گے۔ خیر اسے چھوڑیے۔ یہ ایک سوال جون پور سے سہیل اعظم نے کیا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ گینڈے کا سینگ کیا واقعی لوہے یا پتھر کا بنا ہوتا ہے؟

ڈاکٹر بقراطی: بالکل نہیں۔ جسے ہم گینڈے کا سینگ کہتے ہیں وہ دراصل گینڈے کے سخت بال ہوتے ہیں۔ ناک کے اوپر والے حصے میں گینڈے کی کھال سے گوند جیسی ایک رطوبت خارج ہوتی ہے جو بالوں کو ایک گچھے کی طرح جوڑتی رہتی ہے اور یہی گچھے ایک سینگ بن کر پتھر کی طرح سخت ہو جاتے ہیں۔ بہت موٹی کھال کے بعد یہ سینگ ہی گینڈے کا وہ خطرناک ہتھیار ہیں جن سے جنگل میں اس کی جان بچتی ہے۔ مگر کتنی عجیب بات ہے کہ یہ سینگ ہی آج کی دنیا میں گینڈے کی جان کے سب سے بڑے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ یہ غلط فہمی عام ہے کہ گینڈے کے سینگ کا پوڈر طاقت کی بہترین دوا ہے، جب کہ یہ معمولی بخار اور متلی دور کرنے سے زیادہ اور کسی کام میں نہیں آسکتا۔ اس شدید غلط فہمی کی وجہ سے گینڈے کے سینگ کی قیمت کافی ہوتی ہے اور لالچی انسان سینگ کے لیے گینڈوں کی جان لے لیتے ہیں، جس سے دنیا میں ان کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے۔ چنانچہ گینڈے کی نسلوں کو بچانے کی بڑے پیمانے پر کوشش کی جارہی ہے۔ اور اب میرا خیال ہے ہمیں پڑھنے والوں سے اجازت لے لینی چاہیے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں تم پھر اونگھنے لگے ہو اور تمھیں دیکھ کر مجھے بھی نیند آرہی ہے۔ اس لیے خدا حافظ۔

صرف ایک سینگ رکھنے والا ھندوستانی گینڈا

افلاطون: جی... ہاں... خر... خرر... خررر... □

قلم کاروں سے اہم گزارش

• بچوں کی دنیا کے لیے کچھ بھی لکھتے وقت سادہ زبان اور آسان ترین لفظوں کا ستعمال کریں۔ • انگریزی لفظوں کو انگریزی میں بھی صاف صاف لکھیں۔ • بے وزن و بے بحر شعری تخلیقات نہ بھیجیں • کسی بھی مضوع پر مضامین لکھنے سے پہلے شعبۂ ادارت سے ضرور مشورہ کر لیں • ہاتھ سے لکھے مضامین صرف 'اے فور' A4 سائز کے کاغذ پر بھیجیں

تصویروں میں فرق: 1۔ سورج غائب ہے 2۔ ایک پیڑ کم ہے 3۔ ایک پرندہ کم ہے 4۔ دائیں لڑکے کا سرفنگ پیڈ بدلا ہوا ہے 5۔ ٹیکسی کی ہیڈ لائٹ کے نیچے لیبل غائب ہے 6۔ ٹیکسی میٹر بھی نہیں ہے 7۔ آگے کی جالی بدلی ہوئی ہے 8۔ بائیں لڑکے کی قمیص دوسری ہے۔

شبنم پروین

باکسنگ

ایک خطرناک کھیل

آج ہم ایک ایسے کھیل کی بات کریں گے جو دنیا کے سب سے پرانے کھیلوں میں شمار ہوتا ہے اور جواب سے پانچ ہزار سال پہلے بھی کھیلا جاتا تھا۔ یہ ہے مکّے بازی یا باکسنگ Boxing۔ لیکن اسے دو انسانوں کے درمیان کھیلا جانے والا سب سے وحشیانہ کھیل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں کھیلنے والے دونوں کھلاڑی آمنے سامنے ایک دوسرے کو جسمانی چوٹ پہنچاتے ہیں، زخمی کرتے ہیں اور جواُن میں زیادہ نڈھال ہوجاتا ہے وہ ہار جاتا ہے۔ آج یہ کھیل دنیا بھر میں مقبول ہے، ہمارے یہاں بھی یہ کافی ہوتا ہے، لیکن اس میں کتنی انسانیت ہے اور کتنی حیوانیت، اس پر ہمیشہ سوال اٹھائے جاتے رہے ہیں اور اس پر پابندی لگانے کی آواز بھی اٹھتی رہتی ہے۔

عراق و شام کے اس قدیم علاقے میں جسے بابل کہا جاتا ہے ایسی تصویریں چٹانوں پر کھدی ہوئی ملی ہیں جن میں دو انسانوں کو مکّے بازی کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویریں تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح کی، یعنی حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے تین ہزار سال پہلے کی ہیں۔ مصر میں بھی ایسی کچھ تصویریں ملی ہیں جو دو ہزار قبل از مسیح کی ہیں۔ بغداد (عراق) کے ایک کتبے میں دو آدمیوں کو انعام کے لیے لڑنے کی تیاری کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ پتھر کا کتبہ سات ہزار سال پرانا بتایا جاتا ہے۔ ہاتھوں پر دستانے پہن کر کسی قسم کی مکّے بازی کرنے کا ثبوت حضرت عیسیٰ مسیح سے ڈیڑھ دو ہزار سال پہلے کے مجسموں اور کتبوں کی شکل میں بھی ملتا ہے۔

پانچ بار ورلڈ باکسنگ چیمپئین رہنے والی ہندوستانی باکسر میری کوم

یوروپ میں مکّے بازی کا پہلا دستاویزی ثبوت 1681 کا ملتا ہے اور کھلے ہاتھوں والی مکّے بازی کا پہلا چیمپئن 1719 میں جیمس فگ بنا تھا جس کے دستاویزی ثبوت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ پہلا باکسنگ مقابلہ جس کا ریکارڈ ملتا ہے 6 جنوری 1681 کو ہوا تھا۔

تب باکسنگ کے لیے طے شدہ ضابطے نہیں تھے۔ بعد میں ضابطے بھی بنائے گئے اور کھیل میں اصلاحات بھی ہوئیں۔ ان میں منہ پر موٹا کپڑا ڈھانپنے ، کمر سے نیچے وار نہ کرنے اور کمر کو نہ پکڑنے جیسی اصلاحات شامل تھیں۔ اس کے علاوہ وزن کے لحاظ سے ہیوی ویٹ اور لائٹ ویٹ کے زمرے بھی بنائے گئے۔ لیکن تمام اصلاح کے باوجود اس کھیل کی یہ بنیاد وحشیانہ ہی مانی جاتی رہی کہ اس میں جسم کو چوٹ پہنچا کر مخالف کھلاڑی کو ہرایا جاتا ہے۔ ایسا کسی اور کھیل میں نہیں ہوتا۔ باکسنگ کے پہلے ضابطے 1743 میں جیک باؤٹن نے بنائے۔ پھر 1838 میں لندن پرائز رنگ رولز بنے، اور باکسنگ فائٹ 24 فٹ کے چوکور رنگ میں ہونے لگیں جو رسیاں باندھ کر بنایا جاتا تھا۔ 1867 میں لندن میں للّی برج پر ہونے والے امیچور چیمپئن شپ مقابلوں کے لیے جان چیمبرز نے جو اصول اور ضابطے بنائے وہ مارکیز آف کوئینس بری کے قاعدے Marquess of Queensberry Rules کہلائے جن میں لائٹ ویٹ اور ہیوی ویٹ کے علاوہ مڈل ویٹ کا زمرہ بھی بنایا گیا اور کھلاڑیوں کو وزن کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا۔ مارکوئیز آف کوئینس بری نے ان ضابطوں کو باقاعدہ شائع کرایا جس سے ان کا نام ضابطوں کے ساتھ جڑ گیا۔

پہلے یہ کھیل پرائز منی یا انعامی رقم کے لیے ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں انگلینڈ اور امریکہ میں بدمعاش حلقے جوئے کے لیے یہ مقابلے کرانے لگے۔ انیسویں صدی کے آخر میں جا کر لوگوں نے یہ نکتہ سامنے رکھا کہ کھلے مکّے سے وار کرنا دراصل جسمانی چوٹ پہچانے کے مقصد کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ مکّے بازی میں دستانے پہننے کا رواج شروع ہوا جس سے مقابلے اور لمبے ہو گئے۔ مگر رقم کے لیے باکسنگ کا سلسلہ جاری رہا اور اسے شریفانہ کھیل نہیں سمجھا گیا۔ بیسویں صدی کی شروعات میں پروفیشنل باکسنگ کے علاوہ امیچور باکسنگ شروع ہوئی اور 1908 کے اولمپک میں شمولیت کے بعد باکسنگ کو کچھ عزت حاصل ہوئی۔ ضابطوں میں بھی سختی لائی گئی، کھیل کے کئی راؤنڈ ہونے لگے، ریفری کے اختیارات میں اضافہ ہوا اور باکسنگ کے 'وحشی پن' کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی گئی۔

محمد علی قمر

ہندوستان میں یوں تو پہلے باکسنگ میچ کا ریکارڈ کولکاتا میں ملتا ہے جہاں فروری 1884 میں پہلا باکسنگ میچ ہوا تھا لیکن ممبئی کو صحیح معنوں میں باکسنگ کے داخلے کا دروازہ کہا جا سکتا ہے۔ 1925 میں یہاں ایچ وی پائٹن کی کوششوں سے بامبے پریذیڈنسی امیچور باکسنگ فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا۔ وہ 1944 سے 1948 تک اس کے چیرمین رہے۔ ان دنوں باکسنگ مقابلے بنگلور، مدراس (اب چینئی) لاہور (اب پاکستان میں) جبل پور اور دوسرے شہروں میں پھیل گئے تھے۔ مگر ان کے واپس چلے جانے پر فیڈریشن ٹھپ پڑ گئی۔ اس کے بعد 25 فروری 1949 کو فیڈریشن نئے سرے سے بنائی گئی اور 1950 میں ملک میں باکسنگ

محمد علی 25 فروری 1964 کو میامی میں ہیوی ویٹ عالمی خطاب کی اپنی تاریخی فائٹ میں حریف کو للکارتے ہوئے

کے پہلے قومی مقابلے بریبورن اسٹیڈیم بمبئی میں کرائے گئے۔

باکسنگ میں ہندوستانیوں کا ریکارڈ برا نہیں رہا ہے اور اس کے کئی باکسر مختلف اوقات میں دنیا کے دس بڑے باکسروں میں جگہ پاتے رہے ہیں۔ مثلاً 1996 میں راج کمار سانگوان سپر ہیوی ویٹ ڈویژن میں چوتھے نمبر پر تھے اور اسی سال لائٹ فلائی ویٹ اور فیدر ویٹ زمروں میں علی الترتیب برجوشاہ اور وینکٹیش دیوراجن دسویں نمبر پر رہے۔ ہیوی ویٹ کور سنگھ نے چار اہم بین الاقوامی مقابلے، 1980 میں ممبئی کی اور 1981 کی سیول، ایشین چیمپئین شپ، 1982 کے نئی دہلی اشیائی کھیل اور اسی سال بنکاک کے کنگز کپ میں فتح حاصل کی۔ راج کمار سانگوان نے بین الاقوامی مقابلوں میں چار گولڈ میڈل لیے۔ اسی طرح گورچرن سنگھ، محمد علی قمر، دھرمیندر سنگھ یادو نے بھی میڈل جیتے ہیں۔

خواتین میں ایم سی میری کوم نے کئی گولڈ میڈل جیتے ہیں، اور پچھلے لندن اولمپک میں کانسے تمغہ جیتنے کے علاوہ پانچ مرتبہ ورلڈ باکسنگ چیمپئین رہ چکی ہیں۔ آج وہ عورتوں کی طاقت کا آئکن Icon بن چکی ہیں۔

اب ایک ایسے باکسر کا ذکر جس کے بغیر باکسنگ کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی اور آج تک دنیا سب سے عظیم باکسر مانا جاتا ہے۔ یہ تھے امریکہ کے کیشیس کلے جو ویت نام کی جنگ میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے عالمی خطاب چھین لیے جانے کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور بعد میں محمد علی کہلائے۔ اس کے بعد انھوں نے جو فریزیر کو تاریخی ہیوی ویٹ چیمپئن شپ مقابلے میں ہرا کر اپنا خطاب واپس لیا۔ باکسنگ کی تاریخ کے سب سے عظیم دس کھلاڑیوں میں محمد علی کا نام شامل ہے۔ ان کے علاوہ، جو لوئیس، 'شوگر' رے رابنس، جیک جانسن، مائک ٹائسن (یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے)، جیک ڈیمپسے، جولیو سیزر شاویز، راکی مارسیانو، ہنری آرم اسٹرانگ جونیئر اور رولی پیپ شامل ہیں۔

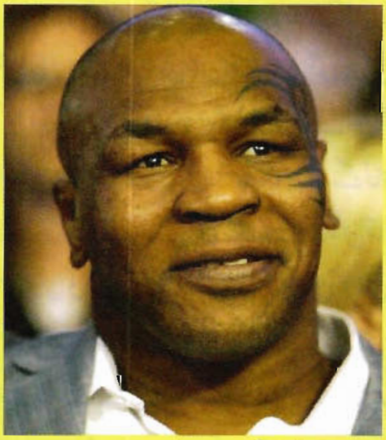

مائک ٹائسن عرف ملک عبدالعزیز

پچھلے برسوں میں یہ کھیل بہت ترقی کر گیا ہے اور اس کے نئے نئے چیمپئن سامنے آ رہے ہیں۔ اس کے باوجود اسے آج بھی ایک خطرناک کھیل سمجھا جاتا ہے۔ بہت سے کھلاڑی اس میں اپنی جان گنوا چکے ہیں یا معذور ہو گئے ہیں۔ خود محمد علی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ماضی میں سر پر آئی ہوئی چوٹوں کی ہی وجہ سے وہ پارکنسن بیماری میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ آج بھی باکسنگ کو وحشیانہ کھیل مانا جاتا ہے اور بہت سے لوگ اس کے خلاف ہیں۔ □

♦ شبنم پروین، C280 شاہین باغ جامعہ نگر نئی دہلی۔110025

یہ مزے مزے کی حکائتیں...

SMS ایس ایم ایس

کیا آپ کے پاس موبائل فون ہے؟ اگر ہاں تو اس پر اپنے دوستوں اور ممی ڈیڈی کو ایس ایم ایس SMS یعنی شارٹ میسیج / میسیجنگ Short Message/Messaging Service سے پیغام بھی ضرور بھیجتے ہوں گے۔ یہ لفظ SMS ہے تو دراصل ایک سروس لیکن اس کا استعمال اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب اسے موبائل پر بھیجے گئے پیغام کا ہم معنی سمجھا جانے لگا۔ خیر ہمیں نام سے کیا، ہمیں تو پیغام سے کام ہے۔ آپ کی طرح ہمیں بھی دوستوں کے ایس ایم ایس ملتے ہیں، اور وہ ایس ایم ایس ہمیں بہت ہی اچھے لگتے ہیں جن میں چٹکلے اور دوسری مزے دار باتیں لکھی گئی ہوں۔ ان صفحات پر ہم نے آپ کی دل چسپی کے لیے ایسے ہی مزے دار اردو ایس ایم ایس یہاں وہاں سے اکٹھے کیے ہیں۔ آپ چاہیں تو خود بھی ہمیں ایس ایم ایس کر سکتے ہیں۔ بس تو سوچیے کوئی اچھی سی بات یا لطیفہ، اور اس نمبر پر ہمیں بھیج دیجیے۔ نمبر ہے: 9716145593

آپ کا میسیج مزے دار ہوا تو ہم اسے ان صفحات کا حصہ بنا لیں گے۔ لیکن اپنا اور شہر کا نام لکھنا ہرگز نہ بھولیے!

مدیر

کاش کوئی امتحان کے نتیجے کا
انشورنس کرا دیتا
تو ہر امتحان سے پہلے پریمیم بھروا دیتے
پاس ہوتے تو ٹھیک ہے
ورنہ انشورنس کا کلیم کروا لیتے

تین لڑکے امتحان کے بعد

پہلا: یار مجھے کچھ نہیں آتا تھا، میں پیپر خالی چھوڑ آیا ہوں

دوسرا: میں بھی!

تیسرا: ارے یہ کیا کر دیا! ٹیچر سمجھے گی ہم تینوں نے نقل کی ہے!

یاہو...!!!!
امتحان کی ساری تیاری پوری ہوئی
(';')
پین

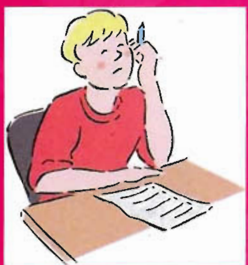

پنسل
اسکیل
اریزر Eraser
یونیفارم
آئی ڈی کارڈ
سب تیار ہے
اب بس...
پڑھنا باقی ہے!

باپ: اتنے کم نمبر...؟ دو تھپڑ لگنے چاہئیں!!

بیٹا: ہاں پاپا! میں نے تو اس ٹیچر کا گھر بھی دیکھ لیا ہے...!!

کہہ دو ان پڑھنے والوں سے، کبھی ہم بھی پڑھا کرتے تھے۔

جتنا سلیبس Syllabus پڑھ کر وہ
ٹاپ کیا کرتے ہیں
اتنا تو ہم چوائس Choice پر چھوڑ دیا
کرتے تھے۔

سمندر بھر سلیبس Syllabus ہوتا ہے
ندی بھر پڑھ لیتے ہیں
بالٹی بھر یاد رہ جاتا ہے
چلّو بھر نمبر آتے ہیں
جس میں ہم دونوں ڈوب جاتے ہیں

میرے ایس ایم ایس ملے؟
نہیں ملے تو یہ لو
SMS SMS SMS SMS
لو، چھوٹے ایس ایم ایس
sms sms sms
یہ لو، ری مکس Remix
SmS sMs SmS sMs
اسٹائلش Stylish بھی لو
M m M بس۔
اب آپ کی باری

تم سے مل کر ہو گیا زندگی سے پیار
راہ میں چھوڑ کر
مت جانا میرے یار
بن تمھارے ہم جی نہ پائیں گے
تم نہ ہو گے تو ہم
بے وقوف کسے بنائیں گے!

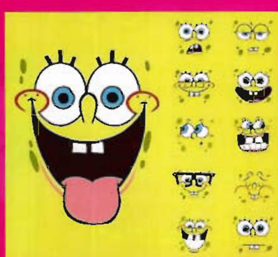

کیا تم بتا سکتے ہو
2+5=11 کیسے ہو سکتے ہیں؟
سوچو سوچو
نہیں معلوم؟
تھوڑا اور دماغ لگاؤ
اب بھی نہیں؟
او کے OK، میں تمھیں بتاتا ہوں
اس کا جواب ہے... غلطی سے!

پولیس کانسٹبل اپنے بیٹے سے:
تمھارا رزلٹ اچھا نہیں آیا
آج سے تمھا کھیلنا اور ٹی وی بند
بیٹا: یہ پچاس روپے پکڑیے، اور معاملہ یہیں ختم کیجیے۔

دماغی اسپتال کے آپریشن تھیٹر میں
آپریشن تیار
سامان موجود
ڈاکٹر موجود
نرسیں موجود
مگر پاگل؟
ایس ایم ایس پڑھنے میں مصروف!

سچا دوست وہ ہے جو آپ کی آنکھوں کا
پہلا آنسو دیکھتا ہے
دوسرے کو پونچھتا ہے
تیسرے کو روک دیتا ہے
اور چوتھے پر چانٹا مار کر کہتا ہے:
"چل ڈرامے بازی بند کر!"

❑ ادارہ

ذہنی آزمائش

اس شمارے کی تصویر

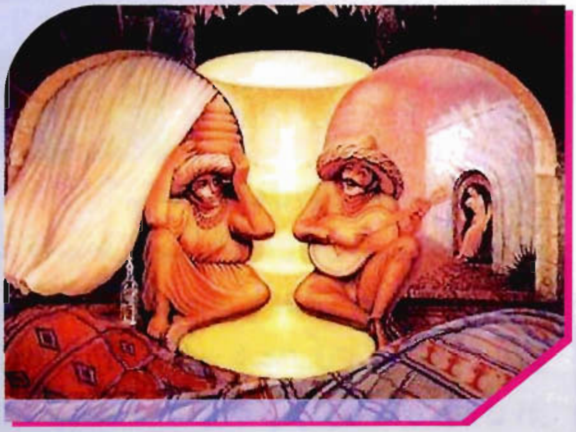

اوپر کی تصویریں دیکھنے میں ایک جیسی لگتی ہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو ان میں آٹھ فرق ہیں۔اچھی طرح دیکھ کر بتاؤ کیا کیا فرق ہیں۔جواب 'ہم سے پوچھیے' کے دوسرے صفحے پر

میکسیکو کے مصور آکٹیو یو او کیمپو Octavio Ocampo نظر کو دھوکا دینے والی لیکن گہرے معنی سے بھرپور پینٹنگز کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔اس تصویر میں دیکھو، انھوں نے کتنی تصویریں بڑی ہوشیاری سے چھپادی ہیں! ایک موسیقار، ایک شرابی، اس کی بوتل، ایک رقاصہ، ایک جام اور پس منظر میں بھی بہت کچھ!

نام ڈھونڈیے:

اردو کے کچھ مشہور افسانہ نگاروں کے نام جن حروف کو جوڑ کر بنے ہیں وہ ہم سے بکھر گئے ہیں۔ذرا انھیں ٹھیک سے ملا دیں؟ جواب یہیں موجود ہیں

1 ۔م ن د ر ے ش م پ ن چ ی 2۔ٹ ح د ت س ن س ن ع و ا م 3۔چ ن ک ش ن د ر ر 4۔چ ت م ت ا ی ع غ ص 5۔ت ن گ ب و س ھ ل 6۔س ن د ر ب ن د ر ج گ ھ ا ی ے 7۔اا ب ج ح خ د س ع م و ہ 8 ۔ق ل ن د ر ت ا ر ے ح ے ع

جواب: 1۔منشی پریم چند 2۔سعادت حسن منٹو 3۔کرشن چندر 4۔عصمت چغتائی 5۔بلونت سنگھ 6۔راجندر سنگھ بیدی 7۔خواجہ احمد عباس 8۔قرۃ العین حیدر

اردو Facebook

پیارے دوستو ، یہ اردو فیس بک یوں تو سب اردو والوں کی ہے لیکن خاص طور پر یہ آپ کے لیے شروع کی گئی ہے۔ جو کچھ آپ اپنے آس پاس اچھا یا برا دیکھتے ہیں، کسی سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، کسی سے کوئی دل چسپ بات سنتے ہیں، کوئی لطیفہ یا کوئی معلوماتی بات پڑھتے ہیں ، یا پھر آپ کے گھر میں کوئی دل چسپ واقعہ ہوتا ہے تو اسے ہمارے ساتھ شیئر Share کیجیے ۔ہم اسے آپ کی تصویر کے ساتھ چھاپیں گے تاکہ دوسرے بھی آپ کی باتوں کا مزا لے سکیں۔ اچھا یہ ہوگا کہ آپ اپنی بات خود اپنے ہاتھ سے لکھیں۔املے یا جملے کی غلطی سے نہ گھبرائیں ، ہم اسے ٹھیک کر کے ہی چھاپیں گے ۔ تو پھر دیر کس بات کی ہے اٹھائیے قلم اور لکھ ڈالیے اپنے دل کی باتیں !اپنے خط کو اسکین Scan یا کمپوز کر کے اپنی تازہ ترین تصویر کے ساتھ آپ ہمیں ای میل یا ڈاک سے بھیج سکتے ہیں۔ مدیر

ابّو چاہتے ہیں میں پروفیسر بنوں

میں عائشہ انجم آپ سے اور 'بچوں کی دنیا' پڑھنے والے بھائی بہنوں سے مخاطب ہوں۔سب کی طرح ان دنوں میرے بھی روزے چل رہے ہیں۔دن بھر عبادت اور پڑھنے میں مشغول رہتی ہوں۔ مجھے آئندہ سال دسویں کا امتحان دینا ہے اس کی تیاری کر رہی ہوں۔خوب پڑھنا ہے، آگے بڑھنا ہے۔ابو چاہتے ہیں کہ میں زبان کی ماہر بنوں۔ پروفیسر بنوں، مگر یہ پروفیسر لوگ مجھے اچھے نہیں لگتے۔ یہ لوگ ہر وقت کھوئے کھوئے ،سوئے سوئے سے لگتے ہیں۔میں آئی اے ایس یا ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں۔اردو زبان سے مجھے عشق ہے۔میری امی بھی بہت اچھی اردو جانتی ہیں۔اردو ناول پڑھنا ان کا شغل ہے۔ مجھے تو لگتا ہے وہ اپنا وقت ضائع کرتی ہیں مگر میں انھیں کچھ بول بھی نہیں سکتی ہوں۔میرے دل و دماغ پر بس دسویں کا امتحان حاوی ہے۔

'بچوں کی دنیا' کا پہلا شمارہ دیکھ اور پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ کہانیاں اور نظمیں اچھی ہیں۔لیکن رسالے کے حروف بہت چھوٹے ہیں اس کا فونٹ سائز اور بڑا ہونا چاہیے۔صفحات کی تعداد بھی کم ہے اور رسالے کا سائز بھی چھوٹا ہے۔امید ہے کی آپ لوگ آئندہ دھیان دیں گے۔

عائشہ انجم، ڈی 5، اوکھلا وہار، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

بھئی صفحوں کی تعداد اور رسالے کے سائز کے سلسلے میں تو ابھی ہم کچھ نہیں کر پائیں گے، لیکن فونٹ سائز کی آپ کی بات مان لی گئی ہے، اور دوسرے شمارے سے اس پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔

بچّوں کی خوب صورت دنیا سجائی ہے

میرا نام مژگاں فاطمہ ہے انکل۔ میں نے اپنے ابو کے ہاتھوں میں رنگ برنگی ایک میگزین دیکھی اور لپک کر ان کے ہاتھوں سے لے لی۔ گھنٹوں اس کے خوب صورت اور پیارے پیارے رنگوں سے سجے ہوئے صفحے پلٹتی رہی۔ میں اسے پڑھ تو نہیں سکی لیکن اس کے حروف پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں ۔رسالہ میں چھپی مختلف جانوروں کی تصویریں، کامکس وغیرہ دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ مدیر انکل نے اس میں ہم بچوں کی خوب صورت دنیا سجائی ہے۔

مژگان فاطمہ E-212، مہاندی ہاسٹل، جے این یو، نئی دہلی

اردو شاعری اچھی لگتی ہے

میں اریش عارج ہوں اور میرا وطن گیا (بہار) ہے۔ میرے ابو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں پڑھاتے ہیں۔ اس لیے مجھے دہلی میں ہی رہنا پڑتا ہے۔ میں جامعہ مڈل اسکول کی ساتویں کلاس میں پڑھتا ہوں۔ میرے گھر پر اردو کتابوں کا انبار ہے۔ میں چپکے چپکے سے شاعری کی کتابوں کو نکال کر پڑھتا ہوں۔ اردو کے اشعار مجھے بہت پسند ہیں۔ مجھے کئی شعر یاد بھی ہیں۔ میں بچوں کے رسائل اور کتابیں پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ مجھے کامکس پڑھنا اور کرکٹ کھیلنا پسند ہے۔ میں اکثر اپنی چھوٹی بہن ذکری غزال کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی پر کارٹون بھی دیکھتا ہوں۔ گرمی اور سردی کی چھٹیوں میں جب اپنے وطن گیا جاتا ہوں تو وہاں خوب مزا آتا ہے۔ میں پڑھنے میں خوب دل لگاتا ہوں مگر اکثر کتابوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ اور پھر میں اردو شاعری کی کوئی کتاب پڑھنے لگتا ہوں۔

اریش عارج ڈی۔5، اوکھلا وہار جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

چاکلیٹ مٹھائی ہے کہ پھل

میں محمد عدیل اختر سینٹ میریز اسکول میں پڑھتا ہوں۔ آج مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ میں اپنا رسالہ 'بچوں کی دنیا' پا گیا۔ بہت دنوں سے تلاش تھی۔ اس میں تو چٹکلہ بھی ہے۔ اور اس میں تو جانور بھی ہیں۔ آج مجھے مزہ آیا۔ میں اپنے سب دوستوں کو ابھی دکھاؤں گا۔ اس میں تو چاکلیٹ بھی ہے۔ چاکلیٹ مٹھائی ہے کہ پھل۔ مجھے بڑا کنفیوژن ہے۔

محمد عدیل اختر کلاس II، سینٹ میریز اسکول، نئی دہلی

لیجیے کنفیوزن دور کیجیے۔ کوکو Coco ایک پھل ہے جس سے مٹھائی بنتی ہے اور مٹھائی کا نام ہے چاکلیٹ!

اردو سے دل چسپی ہے

مجھے عبادہ شارب کہتے ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' کا پہلا اور خوبصورت ماہنامہ رسالہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اب ہر ماہ مجھے اس رسالے کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔ ہمارے گھر میں اردو زبان کی جو بھی چھوٹی بڑی کتابیں ابو لاتے ہیں، میں انھیں فوراً پلٹ کر دیکھتا ہوں اور مطالعہ شروع کر دیتا ہوں۔ اس طرح مجھے اردو زبان سے بہت دلچسپی ہو گئی ہے۔ خدا کرے یہ رسالہ اور ترقی کرے۔

عبادہ شارب F-176، تیسری منزل، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی

میں نے ایک کہانی لکھی ہے

میں شادان امتیاز ستیہ سائیں بال وہار میں انگریزی میڈیم سے پڑھتا ہوں، میرے اسکول میں اردو نہیں پڑھائی جاتی ہے، اردو میں گھر پر پڑھتا ہوں، مجھے اردو میں کہانیاں پڑھنے میں مزہ آتا ہے۔ 'بچوں کی دنیا' کی کہانیاں اور تصویریں خوب ہیں۔ میں اس سے نئے الفاظ اور جملے سیکھتا ہوں، میں نے ایک کہانی بھی لکھی ہے، کیا میں آپ کی میگزین میں چھپنے کے لیے بھیج دوں؟

شادان امتیاز کلاس 1، ستیہ سائین بال وہار، آر کے پورم، دہلی

کہانیاں خوب پڑھتا ہوں

میں ماجد ہوں۔ میری امی مجھے بچپن سے ہی کہانیاں سناتی ہیں۔ اور میں کہانیاں خوب پڑھتا ہوں، 'بچوں کی دنیا' میں تصویریں اور کہانیاں مجھے اچھی لگتی ہیں، میں نے 'چوغے کی دعوت' پڑھی۔ خوب مزہ آیا۔

ماجد کے آر منگلم اسکول، نئی دہلی

کارنامے

شاباش رضیہ سلطانہ!

پچھلے شمارے میں اسی صفحے پر آپ نے پاکستان کی جانباز لڑکی ملالہ یوسف زئی کے بارے میں پڑھا تھا جسے مسلم لڑکیوں میں تعلیم کی تبلیغ کرنے پر افغان طالبان نے گولیوں کا نشانہ بنایا تھا اور جسے صحت مند ہونے کے بعد اقوام متحدہ نے بہت بڑا اعزاز دیتے ہوئے اپنی یوتھ اسمبلی سے خطاب کے لیے اس کی سولہ ویں سالگرہ کے دن 12 جولائی 2013 کو نہ صرف نیویارک بلایا بلکہ یہ دن دنیا بھر میں ملالہ ڈے کے طور پر بھی منایا گیا۔

اسی روز ایک اہم واقعہ اور ہوا۔ اقوام متحدہ نے ایک ہندوستانی لڑکی کو اپنا خصوصی سفیر بناتے ہوئے اسے 'یو این ایجوکیشن ایوارڈ' سے نوازا جس کا پورا نام ہے 'گلوبل ایجوکیشنز یوتھ کریج ایوارڈ فار ایجوکیشن' یا Global Education's Youth Courage Award for Education۔ یعنی نو جوانوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کے لیے حوصلہ مندی کا عالمی اعزاز۔ اس لڑکی کا نام ہے رضیہ سلطانہ جس نے 48 بچوں کو نہ صرف بچہ مزدوری سے نجات دلائی بلکہ انھیں اسکولوں میں بھی داخل کرایا اور ان میں بیش تر بچے مسلمان ہیں جو تعلیم میں اب بھی ملک کی دوسری قوموں سے پچھڑے ہوئے ہیں۔

میرٹھ کی یہ مسلم لڑکی جس کا نام اس کے گھر والوں نے ہندوستانی تاریخ کی پہلی خاتون حکمران رضیہ سلطان کے نام پر رکھا تھا سلطان التمش کی بیٹی کی ہی طرح دھن کی پکّی ہے۔ اس نے نیویارک میں اقوام متحدہ کی یوتھ اسمبلی کو جب اپنے کاموں کے بارے میں بتایا تو پوری دنیا حیران رہ گئی۔

رضیہ میرٹھ کے ننگلا کمبا گاؤں کی رہنے والی ہے جو فٹ بال کے کھیل میں کام آنے والی گیندوں کی سلائی پر گزارہ کرنے والے غریب مسلمانوں کا گاؤں ہے۔ اس کی دو چھوٹی بہنیں اور دو بھائی بھی فٹ بال کی سلائی میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اس گاؤں میں کوئی اسپتال یا ڈسپنسری تو دور پاخانے اور نل تک نہیں تھے۔ ایک اسکول تھا وہ بھی ٹوٹا پھوٹا۔ گاؤں والوں کی تعلیم میں کوئی دل چسپی ہی نہیں تھی۔ رضیہ کے والد اب تو اپنی بیٹی پر فخر کرتے ہیں لیکن بچپن میں انھوں نے بھی رضیہ کو پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے بچی کے اسکول جانے سے گھر میں ایک کمانے والا کم ہو جائے گا۔ بچپن بچاؤ آندولن کے کچھ لوگوں نے گاؤں والوں کو سمجھانا چاہا مگر انھوں نے پڑھائی کی طرف توجہ نہیں دی اور انھیں بھگا دیا۔ رضیہ کچھ بڑی ہوئی تو وہ گاؤں میں بنائی گئی 'بال پنچایت' کی لیڈر چن لی گئی۔ تب اس نے بچہ مزدوری کے خلاف آواز اٹھانا شروع کر دیا۔ بچے اس کے ساتھ آنے لگے تو گاؤں والوں نے والد سے شکایت کی کہ رضیہ بچوں کو بہکا رہی ہے۔ اسی دوران رضیہ نیشنل چلڈرنس پارلیمنٹ کی لیڈر بھی چن لی گئی۔ پھر ایک دن وہ گاؤں کی پنچایت کی پردھان بھی بن گئی۔ اب اسے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اسکول ٹھیک کرایا۔ گاؤں کے دوسرے مسئلے حل کیے۔ اب وہ خود بھی پڑھ رہی ہے اور بچوں کی تعلیم کے لیے اپنی جدوجہد بھی جاری رکھنا چاہتی ہے۔ آج باقی دنیا کی طرح ہندوستان کے لوگ بھی اپنی اس بیٹی پر ناز کر رہے ہیں۔ ہم بھی رضیہ سلطانہ کو اس اعزاز کے لیے مبارک باد پیش کرتے ہیں!□

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھئے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیشکش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظرِ عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھئے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066 فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com